مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال
معارفِ رضا
مدیر اعلیٰ
سید وجاہت رسول قادری
شمارہ: ۹، ۱۰، ۱۱
جلد نمبر 28
ستمبر تا نومبر ۲۰۰۸ء
شعبان تا شوال ۱۴۲۹ھ
مدیر
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)
اسلامی جمہوریہ پاکستان
www.imamahmadraza.net
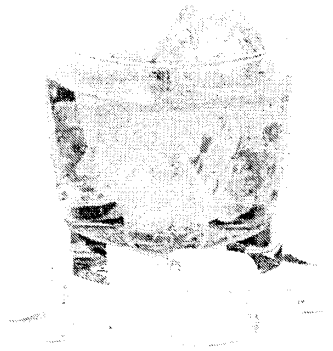
ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال

جلد: ۲۸ شمارہ: ۹، ۱۰، ۱۱

ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۰۸ء

شعبان المعظم، رمضان المبارک، شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

ہدیہ شمارہ خاص: 60 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: 200/- روپے

رجسٹرڈ ڈاک سے: 350/- روپے

بیرون ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔ زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

نوٹ

رقم دستی یا منی آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارف رضا" ارسال کریں، چیک قابل قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 5214-45 حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان

فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرست

"مقالہ نگار حضرات اپنی نگارشات ہر انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں، مقالہ تحقیقی مع حوالہ جات ہو، ۵ صفحات سے زیادہ نہ ہو، کسی دوسرے جریدہ یا ماہنامہ میں شائع شدہ نہ ہو۔ اس کی اشاعت کا فیصلہ ادارہ کی مجلسِ تحقیق و تصنیف کرے گی۔" (ادارتی بورڈ)

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

عرشِ حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ

عرشِ حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی
دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی

قبر میں لہرائیں گے تاحشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی

لَاوَرَبِّ الْعَرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

یارب اک ساعت میں دھل جائیں سیہ کاروں کے جرم
جوش میں آجائے اب رحمت رسول اللہ کی

اے رضاؔ خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

منقبت

مجددِ دین وملت الشاہ محمد احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

کلام: پروفیسر محمد اکرم رضاؔ

اہلِ دل کو بخش دی ایماں کی دولت آپ نے
سُنّیوں کو کی عطا ایماں کی قوت آپ نے

سر نہادوں کو اٹھایا، دکھ کا درماں کردیا
قلبِ خستہ میں سمودی دیں کی رفعت آپ نے

ہم کہ تھے بھولے ہوئے اسلاف کی تعلیم کو
ہم کو پھر سے بخش دی ہر ایک رفعت آپ نے

ہندوؤں کے کاسہ لیسوں سے نمٹنے کے لیے
کی عطا احناف کو شانِ قیادت آپ نے

آیۂ نصرت کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں تھا
قوتِ باطل کو دی ہر ایک ذلت آپ نے

ہم ذلیل و خوار تھے اور پوچھتا کوئی نہ تھا
حکمتِ عالی سے بخشی ہم کو سطوت آپ نے

دینِ احمد کیا ہے اور حُبِّ نبی کیا چیز ہے؟
ہم سے بے خبروں کو بخشی یہ سعادت آپ نے

برقِ باطل، سوزِ قلب و جاں میں رقصاں ہوئی
کی عطا افکار کو ایسی حرارت آپ نے

ہم کہ ٹکڑوں میں بٹے تھے، ہم کو اِک مرکز دیا
اور دی حالات کی پُرشوق عزت آپ نے

نعتِ شاہِ دیں میں معروف رہتا ہے رضاؔ
اس کے دل میں ڈال دی ہے شانِ مدحت آپ نے

نذرانۂ عقیدت بحضور قائدِ ملت اسلامیہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(آپ کے پانچویں عرس مبارک کے موقع پر)

کلام: ندیم احمد قادری نورانی ☆

شاہ نورانی میاں! رحمٰن (عزوجل) کی رحمت ہیں آپ
ہم فقیروں کے لیے اللہ (عزوجل) کی نعمت ہیں آپ

صرف صورت ہی نہیں، سیرت بھی نورانی بہت
نام بھی ہے نور والا، نور کی نسبت ہیں آپ

منکرِ ختمِ نبوت کا نہ سر اٹھنے دیا
ایسے لوگوں کے لیے جبّار (عزوجل) کی ہیبت ہیں آپ

ملتِ اسلامیہ کے آپ قائد اور امام
اہلِ سنت کے لیے تو باعثِ عزت ہیں آپ

کب کیا ہے کوئی سمجھوتا اصولوں کے خلاف
استقامت کے جہاں میں صاحبِ رفعت ہیں آپ!

جو بنے تھے انتشارِ اہلِ سنت کا سبب
دربدر پھرتے رہے سب مرکزِ رجعت ہیں آپ

آپ کے جانے سے بے شک ہوگئے سُنّی یتیم
اہلِ سنت کے لیے تو باپ کی شفقت ہیں آپ

''یہ صدی اسلام کی ہے'' دے دیا ڈٹ کر جواب
کفر کا رد کرنے والے، رافعِ ملت ہیں آپ

آپ کو حاصل تھا دنیا کی زبانوں پر عبور
آپ سا عالم کہاں ہے، باعثِ حیرت ہیں آپ

آپ سے راضی خدا (عزوجل) اور خوش محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کتنی اعلیٰ شان ہے یہ، کتنے خوش قسمت ہیں آپ!

منقبت کا حق ادا کب ہوسکا مجھ سے ندیمؔ
فکر سے بڑھ کر یقیناً قابلِ مدحت ہیں آپ

☆ آفس سیکریٹری، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

حافظ شراب وشاہد ورندی نہ وضع تست

مدیر اعلیٰ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے قلم سے

قارئین کرام!

آج ہمارے ملک کے منظرنامے پر جو کچھ نظر آرہا ہے، دہشت گردی، افراط وتفریط، بے راہ روی وبے حیائی، معاشی، معاشرتی، سیاسی ابتری اور اخلاقی انحطاط...... یہ سب کچھ کسی بھی طرح ہمارے دین و مذہب، ہمارے معاشرتی ادب وآداب، تہذیب وثقافت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نیک مقصد سے (یعنی نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ کو عملی جامہ پہنانا) کہ جس کی خاطر یہ خطۂ ارض پاکستان کے نام سے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے لاکھوں مسلمانوں کی جان اور لاکھوں مسلمان عورتوں کی عزت وآبرو کی قربانی کے بعد حاصل کیا گیا۔ مطابقت نہیں رکھتا۔ غداری، دغابازی اور وعدہ خلافی کا نام کامیاب سیاست رکھ لیا گیا ہے۔ منبر ومحراب سے حُبِ رسول ﷺ، اسوۂ حسنہ اور بھائی چارگی کے درس کے بجائے اپنی ہی قوم، اپنے ہی ملک اور اپنی ہی فوج کے خلاف قتال و جہاد کا درس دیا جارہا ہے جس کا تازہ ثبوت ایک بدمذہب فرقہ کی ویب سائٹ پر جاری کردہ ایک فتویٰ ہے جس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ہلاکو اور چنگیز کی روحیں بھی چیخ اٹھتی ہیں کہ انہیں تمام جبر وظلم کے باوجود کبھی اپنی فاتح فوج کے لیے ایسا حکمنامہ علی الاعلان جاری کرنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ ملاحظہ ہو:

×××

پیغام موت

اصحابِ کرام اور امہات المومنین کے گستاخ شیعہ کافر۔ تمہیں پیغامِ موت پہنچایا جاتا ہے۔ جید علماء دیوبند کے متفقہ فتویٰ کی رو سے تم شیعہ واجب القتل ہو۔ متعہ کی اولاد تمہاری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کی عزت لوٹنا اور تمہاری عورتوں کے ساتھ ہم بستری کرنا اور بغیر نکاح کے لونڈی بنا کر رکھنا جائز ہے۔ تمہارے مالوں کو لوٹنا بھی جائز ہے۔

اول یہ کہ صدق دل سے توبہ کرکے سنی مذہب اختیار کرو۔

دوم ہمارے امیر المومنین حضرت علیؓ کے نمائندگانِ خصوصی حضرت قاری خلیل سراج مہتمم سراج العلوم ڈیرہ اسماعیل خان، وکیل صحابہ و جرنیل سپاہ صحابہؓ حضرت عبدالرحمٰنؒ کو ماہوار جزیہ مبلغ بیس ہزار روپے ادا کرکے بحیثیت اقلیت اسلامی ریاست میں زندگی گزارو۔ ان نکات پر عمل کرنے کے لیے تمہیں ایک ماہ کا وقت دیا جاتا ہے۔ بصورت دیگر تم کافروں کو چن چن کر قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو گھروں، سکولوں اور کالجوں سے اٹھا کر لے جائیں گے۔

منجانب: طالبان تحریک پاکستان وملتِ اسلامیہ پاکستان (لشکرِ جھنگوی)۔

×××

اور اس قسم کے فتووں کے اثرات کا عملی ثبوت واہ کینٹ اور دار الحکومت اسلام آباد میں میریٹ ہوٹل پر خودکش حملے ہیں جن میں سینکڑوں کی تعداد میں بے گناہ انسان، مرد، عورت، بچے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہوئے۔ ہم بحیثیت

مسلمان اس بربریت کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو بقول ناشر" جید علمائے دیوبند" کے اس فتوے اور حکم نامے سے عیاں ہے۔ ہمارے رؤف و رحیم آقا مالک کونین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حالتِ جنگ میں بھی کفار ومشرکین، یہود و نصاریٰ کی سول آبادی کی جان مال، عزت وآبرو کی ضمانت کا اعلان فرمایا اور قیامت تک کے لیے لشکرِ اسلام کے سپہ سالاروں کو یہ حکم جاری فرما کر انہیں کسی بھی قسم کی تکلیف پہچانے سے روک دیا ہے۔ لیکن حیف صد حیف کہ آج بزعمِ خویش خود کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور علمائے اسلام کہلانے والے کس قدر بے حیائی، ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ غیرت ایمانی سے عاری ہوکر احکامِ قرآنی اور ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کررہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو پوری دنیا کے سامنے بدنام کررہے ہیں۔ درحقیقت انسانیت سے ایسے عاری اور ظالم و جابر لوگوں کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ کسی بیرونی اور زیادہ صاف لفظوں میں صیہونی طاقتوں کے کاسہ لیس، تنخواہ دار ایجنٹ ہیں جو اسلام کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کرنے کی سازش کے کل پرزے بن رہے ہیں۔ رہی سہی کسر مغربی وامریکی استعمال سے درآمد شدہ "نظریۂ آزادیٔ ذرائع ابلاغ" نے پوری کردی ہے۔ اسلام نے فرد، جماعت اور معاشرہ کو فکر ونظر کی جو آزادی عطا فرمائی ہے وہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوقِ معاشرہ کی ادائیگی سے مشروط ہے اور حقوق وفرائض کا ایسا متوازن نظریہ پیش کیا ہے جس سے فرد اور ملت ایسے مضبوط رابطے اور رشتے میں منسلک ہوجاتے ہیں جس میں افراط و تفریط نہیں ہے بلکہ فلاح ہی فلاح ہے۔ اس طرح آخرت میں اللہ کے یہاں بھی ان کے لیے بے پناہ اجر ہے کیوں کہ اسلام کے اس نظریہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کا ایک ایسا عنصر موجود ہے جو لاشعوری طور پر کسی عمل کے صادر ہونے سے قبل اس کے غلط یا صحیح ہونے کا جائزہ لینے کی صلاحیت ایک مسلمان کے قلب میں پیدا کردیتا ہے۔ اس کا دوسرا نام خشیتِ الٰہی ہے۔ یعنی بندہ ہر لحظہ، ہمہ وقت اپنے مالک ومولیٰ اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ (Observation) میں ہے۔ لیکن میڈیا کی آزادی کے نام پر جو پروگرام، مذاکرے، ڈرامے حتیٰ کہ بعض نام نہاد دینی پروگرام نشر ہورہے ہیں ان سے معاشرہ میں گناہ سے رغبت میں اضافہ، بے حیائی و بے شرمی کو فروغ، ملحدانہ اور سیکولر نظریات کا اس قدر پھیلاؤ ہورہا ہے کہ لوگوں کے دلوں سے برزخی اور اخروی زندگی کا تصور معدوم ہوتا جارہا ہے۔ یومِ قیامت، حشر ونشر، سزا وجزا کا عقیدہ جسے ایمان بالغیب کا عقیدہ کہتے ہیں، کمزور سے کمزور ہوتا دکھائی پڑ رہا ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے معاشرے میں جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی، قتل و غارت گری، دغابازی، بدعہدی، وعدہ خلافی، بددیانتی، بداخلاقی اور بے حیائی، ملکی آئین اور شہری قوانین کی کھلے عام خلاف ورزی روزمرہ کا معمول بنتی جارہی ہے اور اس میں چند استثناء کے علاوہ صدرِ مملکت، وزرا اور عمال واعیانِ حکومت سے لے کر عوام الناس اور منبر ومحراب کے صاحبِ جبہ ودستار کے لے کر منصبِ قضا کے قاضی القضاۃ تک سب ملوث نظر آتے ہیں، کوئی کم کوئی زیادہ۔۔۔ الا ماشاء اللہ۔ پھر ایسے ابتر اندرونی حالات پر مستزاد اندرونی مسلح بغاوت اور امریکہ، یورپ اور ہندوستان کی استعماری طاقتوں کی ایک منصوبہ بند ملی بھگت کے ساتھ پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں پر یورش اور اس کے اہم فوجی اور اسٹرٹیجک اثاثوں پر قبضہ کی گھناؤنی سازش۔ اس وقت پاکستان کی سالمیت کو جس قدر بھیانک خطرات لاحق ہیں، پہلے کبھی نہ تھے۔ انہیں کچھ اربابِ بصیرت اور صاحبِ دل دردمند ہی جانتے ہیں۔ لہٰذا موجودہ حکومت بالخصوص صدرِ مملکت جناب آصف علی زرداری پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد ملکی معاملات کی اصلاح کی کوشش کریں اور اس کے تین وجوہ ہیں:

۱۔ آصف زرداری صاحب (الف) جمہوریت کی بحالی، (ب) عدلیہ کی آزادی اور (۳) آئین کی مکمل بحالی کے پرکشش نعروں اور اپنی اہلیہ کے ظالمانہ قتل پر اپنی پارٹی کے لیے عوام کے دلوں میں بے پناہ جذبۂ ہمدردی امنڈ آنے کی بنا پر برسرِ اقتدار آئے ہیں۔

۲۔ وہ سابق صدرِ مملکت جنرل پرویز مشرف سے ایک معاہدہ (NRO) کے تحت خود پر قائم شدہ تمام مقدمات عدالتوں سے واپس لینے کے سبب بیرونِ ملک سے اپنی جلاوطنی ختم کرکے آئے ہیں۔ چونکہ ملک کی کسی بڑی عدالت نے انہیں سنگین جرائم کے تحت قائم شدہ مقدمات میں بری نہیں کیا۔ اس لیے ان کی سیاسی شخصیت پر یہ NRO ایک بدنما داغ ہے۔

۳۔ وہ اپنی مقتول اہلیہ کے سابقہ دورِ حکومت میں ملکی اور بیرونی میڈیا پر ''مسٹر ٹین پرسنٹ'' کے نام سے معنون رہے ہیں اور یہ بھی زبان زدِ عام ہے اور میڈیا میں شائع ہے کہ وہ اپنی نوجوانی کے دور میں لاابالی مستِ لذات نوجوان (Playboy) کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

اس وقت وہ ملک کے پہلے بااختیار سویلین صدر ہیں جنہیں آئین کے تحت وسیع و عریض اختیارات حاصل ہیں۔ پھر عددی کثرت کے اعتبار سے انہیں حکومت کے ایوانوں میں دو تہائی سے بھی زیادہ اکثریت حاصل ہے۔ ان کے بعض بیانات سے یہ نیک گمان ہوتا ہے کہ انہیں قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے بھی شغف ہے۔

یہ صدارت، وزارت، حکومت سب آنی جانی چیزیں ہیں۔ حاکمِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کائنات میں اس کے نائب اعظم اس کے رسول مکرم و محتشم سید عالم ﷺ ہیں۔ یہ مناصب اللہ تعالیٰ کی امانت ہوتے ہیں۔ جو دیانت و امانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا ہے وہ دنیا میں بھی نیک نام ہوتا ہے اور آخرت میں بھی سرخرو رہتا ہے۔ ورنہ دونوں جہاں کی رسوائی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ زرداری صاحب نے اپنے پیش رو صدر پرویز مشرف کو نہایت رسوائی کے ساتھ ایوانِ صدر سے رخصت کیا حالانکہ وہ ان کے محسن تھے۔ زرداری صاحب کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انہوں نے امانت و دیانت اور خشیتِ الٰہی کا مظاہرہ نہ کیا تو ان کا بھی یہی حشر ہوسکتا ہے۔ بلکہ شاید اس سے بھی بدتر ہو۔ یہ عالمِ مکافات ہے اور پھر میدانِ حشر کی رسوائی سب سے بڑی رسوائی ہوگی۔ لہٰذا ہمارا نیک مشورہ یہ ہے کہ آصف زرداری صاحب کو اس بنیاد پر کہ آئین و پارلیمنٹ کے تمام اختیارات کو جو اس وقت ان کی ذات میں مرکوز ہیں، وہ بروئے کار لاتے ہوئے ملک و ملت کے لیے تعمیری کام کرجائیں اور بسم اللہ اور درود و سلام پڑھ کر درجہ ذیل امور سرانجام دیدیں تو دنیا و آخرت میں ان کی تمام کردہ اور ناکردہ غلطیوں کا کفارہ ہوجائے گا، ان کے دشمنوں اور حاسدوں کا منہ کالا ہوگا اور تاریخ میں ایک کامیاب مسلمان سربراہ کی حیثیت سے سنہری حروف میں ان کا نام قلمبند ہوجائے گا:

۱۔ آئین کی وہ تمام دفعات جو قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کے احکامات سے متصادم ہیں نکال دی جائیں اور ان کی جگہ شرعی احکامات کی دفعات شامل کرکے انہیں نافذ العمل بنایا جائے۔

۲۔ عدلیہ کو مقننہ سے علیحدہ کیا جائے اور ذیلی عدالتوں اور اعلیٰ عدالتوں میں باکردار، دیانت دار خوفِ خدا رکھنے والے ججوں کو متعین کیا جائے اور ان کی تعیناتی کی ایک شرط یہ بھی ہو کہ وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے کماحقہ واقف ہوں۔

۳۔ معیشت کی بحالی کے لیے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے چار نکاتی معاشی پروگرام کو بطور ماڈل سامنے رکھ کر منصوبہ سازی کی جائے۔

۴۔ ملک کے تعلیمی ڈھانچہ کو امام احمد رضا محدث بریلوی اور ہمارے دیگر اسلاف کرام مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، امام غزالی وغیرہم

علیہم الرحمۃ کے تعلیمی نظریات کو جدید دور کی ضروریات سے ہم آہنگ کر کے ملک گیر طور پر ہر تعلیمی سطح کے لیے یکساں نصاب کی صورت میں مرتب اور نافذ العمل کیا جائے۔

۵۔ دہشت گردی کا مسئلہ: اس کے کئی عوامل ہیں اور متعدد اسباب۔

اس کا اصل سبب تو امریکہ، ہندوستان اور مغربی استعمار اور صیہونیوں کا مسلمانوں پر ظلم وستم اور انہیں ان کے سیاسی اور معاشی حقوق اور مذہبی آزادی سے محروم کرنا ہے۔ لیکن پاکستان کے جغرافیائی حدود میں دہشت گردوں کی بڑھتی ہوئی کاروائی کا سبب ناعاقبت اندیش منصوبہ بندیاں ہیں جو اس دور کے پاکستان کے حکمرانوں نے مرتب کیں جس میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ پاکستان کے مخصوص فرقوں مثلاً اہلِ حدیث اور دیوبندی دہابی فرقہ کی بعض عسکریت پسند تنظیموں کو اس وقت کے صدر جنرل ضیاء الحق نے خاص طور پر اجازت دی تھی کہ وہ افغانی طلبا کی تعلیم و تربیت کا اہتمام اپنے مدارس میں کریں۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں میں ہزاروں عسکریت پسند طلبا کی کھیپ تیار ہوگئی۔ امریکہ میں ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کے بعد دنیا کی تاریخ میں جو انقلاب آیا اس سے دنیا کا ہر ملک متاثر ہوا اور حکومتِ پاکستان بھی خارجہ پالیسی میں ایک ''یوٹرن'' لینے پر مجبور ہوگئی لیکن داخلی طور پر حکومت کے ایوانوں اور ایجنسیوں کے دفاتر میں طالبان نواز افسران بڑی تعداد میں موجود رہے۔

افغانستان پر امریکہ کے حملہ اور طالبان حکومت کے خاتمہ کے بعد یہی طالبان عسکریت پسند ہزاروں کی تعداد میں صوبۂ سرحد کے ملحقہ علاقوں میں اپنے پاکستانی طالبان اور ان کے ہمدرد قبائل کی پناہ میں آ گئے۔ پھر یہاں سے ملک کے مختلف صوبوں میں اپنے مسلک کی مختلف مساجد اور مدارس میں محفوظ پناہ کی تلاش میں پھیل گئے۔ اسلام آباد کی لال مسجد ان عناصر کا مرکزی مشاورتی مرکز بن گئی۔ پھر جب انہوں نے حکومتی رٹ کو چیلنج کرنا شروع کیا تو لال مسجد میں پناہ گزین عسکریت پسندوں کے خلاف پاکستان کی سیکورٹی فورسز نے جو اقدام کیے، وہ محتاجِ تفصیل نہیں۔ اس کو پوری قوم نے الیکٹرونک میڈیا (ٹی وی چینل) اور پرنٹ میڈیا پر تفصیلاً دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس واقعہ کے بعد اور بالخصوص صدر پرویز مشرف کے اقتدار چھوڑنے کے بعد اب تک جو کچھ ہوا ہے، اس سے یہ اظہر من الشمس ہے بلکہ ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے مصدقہ خبر کے طور پر نشر کیا ہے کہ آج تک پاکستان میں دہشت گردی کے جتنے بھی واقعات ہوئے ہیں، ان میں صرف اہلِ حدیث یا دیوبندی فرقہ کے افراد ملوث پائے گئے۔ لیکن اہلِ سنت و جماعت کے کسی ادارے یا مدرسہ یا مسجد کا کوئی ایک فرد بھی ان بہیمانہ غیر انسانی اور غیر اسلامی حرکت میں آج تک ملوث نہیں پایا گیا۔ اور ایک دیوبندی دہشت گرد کالعدم تنظیم کا اس کی ویب سائٹ پر نشر شدہ تازہ فتویٰ جو اس اداریہ کے شروع میں پیش کیا گیا ہے، وہ میڈیا کے اس دعویٰ کی مزید دلیل ہے اور اب صدر زرداری کی حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج اور لمحۂ فکریہ بھی ہے۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ زرداری صاحب ایسے تمام اسٹریٹجک علاقوں کا مثلاً کنٹونمنٹ بورڈ، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کا علاقہ، پولیس ہیڈ کوارٹر اور پولیس اسٹیشنوں کے اردگرد کا علاقہ اور سرکاری زمینوں پر غصب شدہ قطعاتِ زمین پر تعمیر شدہ جتنی ناجائز مساجد اور دینی مدارس قائم ہیں، ایک خفیہ سروے کروائیں اور پھر ایسے مشکوک خطیبوں اور مہتمم حضرات کو کہ جن کا دہشت گردوں یا ان کے نمائندوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا یا ان جیسے مشکوک کردار والوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہے، اسکرین آؤٹ کر کے صلح و آشتی اور بھائی چارہ کا درس اور عشق و اتباعِ رسول ﷺ کی تعلیم دینے والے صاحب کردار صحیح العقیدہ علماء کو ان مشکوک کردار والوں کی جگہ مسند پر بٹھانے کا سرکاری سطح پر اہتمام کریں۔ ان شاء اللہ مختصر مدت میں آپ کو اچھے نتائج ملنا شروع

ہو جائیں گے۔ مزید یہ کہ جن حضرات کو آپ اسکرین آؤٹ کریں ان کی اپنی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ نگرانی بھی جاری رکھیں تا کہ وہ برطرفی کے بعد کسی دہشت گرد یا اس کی تنظیم کے مُمِد و معاون نہ بن سکیں۔ ایک فائدہ اس سے یہ بھی ہوگا کہ ان کے رابطوں تک آپ کی خفیہ ایجنسیوں کو پہنچنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اس طرح دہشت گردی کے وقوع سے پہلے ہی ان تک قانون کا ہاتھ پہنچ جائے گا اور یوں وہ خود اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ جائیں گے۔ اس سلسلے میں دوسرا اہم کام جو صدرِ مملکت اور سیکورٹی سے متعلق ان کے متعلقہ وزرا اور سرکاری حکام کو کرنا ہے، وہ درج بالا سے بھی اہم ہے، وہ یہ کہ ملکی سیکورٹی سے متعلق اداروں اور محکموں نے ایسے افراد کی بھی بڑی تندہی اور باریک بینی کے ساتھ اسکریننگ کی جائے جو کہ براہِ راست دہشت گردوں کے رابطہ میں ہیں یا ان سے متاثر یا ہمدردوں میں سے ہیں۔

قارئین کرام! آخر میں ہم صدرِ مملکت جناب زرداری صاحب کی خدمت میں علامہ اقبال کی ایک نظم انہی کے الفاظ میں اس آرزو کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات!

قارئین کرام! درج ذیل نظم کا پہلا بند ہمارے ملکی حالات کے حسبِ حال ہے اور آخری بند کے اشعار زرداری صاحب کے شوقِ حکمرانی اور ذوقِ سلطانی کے لیے مہمیز ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور اگر زرداری صاحب جیسے زیرک انسان علامہ اقبال کے اس پیغام کو سمجھ گئے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ ''مصورِ پاکستان'' کے تصورِ پاکستان میں نئے رنگ بھرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ ملک میں ایک انقلابِ نو کے داعی اور علامہ کے خوابوں کی تعبیر بن کر پاکستان کی تاریخ میں اپنا نام روشن کر جائیں گے۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں:

تا تاری کا خواب

کہیں سجادہ و عمامہ رہزن
کہیں ترسا بچوں کی چشمِ بے باک
ردائے دین و ملت پارہ پارہ
قبائے ملک و دولت چاک در چاک
مرا ایماں تو ہے باقی و لیکن
نہ کھا جائے کہیں شعلہ کو خاشاک
ہوائے تند کی موجوں میں محصور
سمرقند و بخارا کی کفِ خاک

'بگردا گردِ خود چندانکہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم'

یکایک مل گئی خاکِ سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اِک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی
صدا آئی کہ ''میں ہوں روحِ تیمور''
اگر محصور ہیں مردانِ تاتار
نہیں اللہ کی تقدیر محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟

'خودی را سوز و تابے دیگرے دِہ
جہاں را انقلابے دیگرے دِہ'
(بالِ جبرائیل)

تفسیر رضوی

سورة البقرة

معارفِ قرآن من افاضات امام احمد رضا

گذشتہ سے پیوستہ — مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

قسم اول: نہ طواف مقصود لذاتہ ہو، نہ اس سے غرض وغایت نفس تعظیم بلکہ طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہو اور اس فعل سے کوئی اور حاجت مقصود، جیسے سائلوں کا دروازوں پر گشت، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمیشہ کاشانۂ نبوت کا ایسا طواف فرمایا کرتے۔

ابوداؤد وابن ماجہ و داری ایاس بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئک بخیارکم"۔ "آج کی رات بہت سی عورتوں نے ہماری بارگاہ اقدس کا طواف کیا کہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں، وہ تم میں کے بہتر لوگ نہیں ہیں جو عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔"

اور صحیح حدیث میں بلی کی نسبت فرمایا: "انھا من الطوافین علیکن والطوافات" بیشک وہ ان نر و مادہ میں ہے جو بکثرت تم پر طواف کرنے والے ہیں۔

قسم دوم: طواف مقصود لذاتہ ہو اور غایت غیر تعظیم۔

صحیح بخاری شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے میرے والد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قرض اور تھوڑے خرمے چھوڑ کر شہید ہوئے، میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: حضور کو معلوم ہے کہ میرے باپ احد میں شہید ہوئے اور بہت قرض چھوڑ گئے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ حضور قدم رنجہ فرمائیں کہ قرض خواہ حضور کو دیکھیں یعنی شاید حضور کے خیال سے اپنے مطالبہ میں کمی کر دیں، ارشاد فرمایا: جاؤ ہر قسم کے چھوہاروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ پھر تشریف فرما ہوئے، قرض خواہوں نے حضور کو دیکھا مجھ سے نہایت سخت تقاضے کرنے لگے کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ کیا تھا، یعنی ان کے خیال کے برعکس ہوا، حضور کے تشریف لے جانے سے قرض خواہ اپنا پلہ بھاری سمجھے کہ حضور ضرور ہمارا پورا حق دلا دیں گے، جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حال ملاحظہ فرمایا "فطاف حول اعظمھا بیدر اثلث مرات ثم جلس علیہ" حضور نے ان میں سب میں بڑے ڈھیر کے گرد تین بار طواف فرمایا اور اس پر تشریف رکھی پھر ناپ ناپ کر انہیں دینا شروع فرمایا "حتی ادی اللہ عن والدی امانۃ وسلم اللہ البیادر کلھا"۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کا سب قرض ادا کر دیا اور سب ڈھیر سلامت بچ رہے۔ اسی قسم میں ہے عس کا گرد شہر گشت کرنا ولہذا عس کو عرب میں طائف کہتے ہیں، مفردات راغب میں ہے کہ "منه الطائف لمن یدور حول البیوت حافظا"

امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں مدینۂ طیبہ کا طواف فرمایا کرتے۔

ابن عساکر تاریخ میں اسلم مولیٰ امیر المومنین سے روایت کرتے ہیں: "ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنه طاف لیلة فاذا ھو بامراۃ فی جوف دارھا وحولھا صبیان یبکون الحدیث" یعنی امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینہ طیبہ کا طواف کر رہے تھے دیکھا کہ ایک بی بی اپنے گھر میں بیٹھی ہیں اور ان کے بچے ان کے گرد رو رہے ہیں اور چولہے پر ایک دیگچی چڑھی ہے، امیر المومنین قریب گئے اور فرمایا: اے اللہ کی لونڈی یہ بچے کیوں رو رہے ہیں، انہوں نے عرض کی یہ بھوک کے روتے ہیں، فرمایا: تو اس دیگچی میں کیا ہے؟ کہا: میں نے ان کے بہلانے کو پانی بھر کر چڑھا دی ہے کہ وہ سمجھیں اس میں کچھ پک رہا ہے اور انتظار میں

سو جائیں، امیر المومنین فوراً واپس آئے اور ایک بڑی بوری میں آٹا اور گھی اور چربی اور چھوہارے اور کپڑے اور روپے منھ تک بھرے پھر اپنے غلام اسلم سے فرمایا: یہ میری پیٹھ پر لاد دو، اسلم کہتے ہیں: میں نے عرض کی یا امیر المومنین! میں اٹھا کر لے چلوں گا، فرمایا: اے اسلم بلکہ میں اٹھاؤں گا کہ اس کا سوال تو آخرت میں مجھ سے ہونا ہے، پھر اپنی پشت مبارک پر اٹھا کر ان بی بی کے گھر تک لے گئے پھر دیگچی میں آٹا اور چربی اور چھوہارے چڑھا کر اپنے دست مبارک سے چلاتے رہے پھر پکا کر انہیں کھلایا کہ سب کا پیٹ بھر گیا، پھر باہر صحن میں نکل کر ان بچوں کے سامنے بلاتشبیہ ایسے بیٹھے جیسے جانور بیٹھتا ہے اور میں ہیبت کے سبب بات نہ کرسکا، امیر المومنین یونہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ بچے اس نئی نشست کو دیکھ کر امیر المومنین کے ساتھ کھیلنے لگے، اب امیر المومنین واپس تشریف لائے اور فرمایا اسلم تم نے جانا کہ میں ان کے سامنے یوں کیوں بیٹھا؟ میں نے عرض کی نہ۔ فرمایا: میں نے انہیں روتے دیکھا تھا تو مجھے پسند نہ آیا کہ میں انہیں چھوڑ کر چلا جاؤں جب تک انہیں ہنسا نہ لوں، جب وہ ہنس لئے تو میرا دل شاد ہوا: ''واخرجه ایضا الدنیوری فی المجالسة واحمد بن ابراهیم بن ساذان البزار فی مشیخة''

امام محب الدین طبری ریاض النضرہ پھر شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں مناقب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں ''انه کان یطوف لیلة فی المدینة فسمع امراة تقول ''یعنی امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینۂ طیبہ میں طواف کررہے تھے کہ ایک بی بی کو یوں کہتے سنا۔ فذکر الحدیث۔

قسم سوم: طواف وسیلہ مقصود ہو اور غرض و غایت تعظیم، جیسے نوکر چاکر غلاموں کا اپنے مخدوم و آقا پر طواف اس کے کام خدمت کو اس کے گرد پھرنا ''قال اللہ تعالیٰ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ'' ''تمہارے نوکر و غلام تمہارے گرد بکثرت طواف کرنیوالے ہیں۔'' تین وقت ترک حجاب کے سوا ہر وقت اذن لینے میں انہیں حرج ہوگا۔

اور اہل جنت کے حق میں فرماتا ہے ''یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ''۔ ''ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان کے گرد طواف کریں گے''، اور فرماتا ہے ''یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ''۔ ''ان پر طواف کیا جائے گا پیالوں میں وہ پانی لے کر جو آنکھوں کے سامنے بہتا ہے۔'' اور فرماتا ہے ''یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَکْوَابٍ''۔ ''چاندی کے برتن اور کوزے لے کر ان پر طواف کیا جائے گا۔ اس میں وہ صورت بھی آتی ہے کہ طواف غیر کعبہ کا ہو اور غرض و غایت عبادت الٰہی۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''قال سلیمان لا طوفن اللیلة علی تسعین امراة وفی روایة بمائة امراة کلهم تاتی بفارس یجاهد فی سبیل الله فطاف علیهن الحدیث'' ''سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قسم ہے آج کی رات میں نوے اور ایک روایت میں ہے سو عورتوں پر طواف کروں گا کہ ایک سے ایک سوار پیدا ہوگا جو اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرے، پھر انھوں نے ان پر طواف کیا۔''

صحیح مسلم شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ''کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یطوف علی النساء بغسل واحد'' ''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی غسل سے اپنی ازواج مطہرات پر طواف فرماتے۔

الاشباہ والنظائر و درمختار میں ہے:

لیس لنا عبادة شرعت من عهد ادم الی الان ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والایمان ''ہمارے لئے کوئی عبادت ایسی نہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے آج تک مشروع رہی پھر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں مشروع رہے گی مگر ایمان یعنی یاد خدا اور نکاح یعنی جماع زوجہ۔

جاری ہے..........

معارفِ حدیث
من افاضات امام احمد رضا

۱۰۔ گناہِ صغیرہ و کبیرہ

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

گذشتہ سے پیوستہ

(۲۳) قتل مومن پر اعانت بدتر گناہ ہے

۱۶۸۔ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: مَنْ أعان على قتل مُؤمنٍ بشطرِ كلمةٍ لقي الله مكتوبا بين عينيه آئسٌ من رحمة الله.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی مسلمان کے قتل پر آدھی بات کہہ کر اعانت کرے اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اسکی پیشانی پر لکھا ہو' خدا کی رحمت سے ناامید'۔''

(۲۴) شیطانی وسوسہ

۱۶۹۔ عن صفية بنت حيي رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: انّ الشّيطان يجرىٔ من الانسان مجرى الدّم.

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیشک شیطان انسان کے خون دوڑنے کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔''

فتاویٰ رضویہ حصہ دوم ۹/ ۱۱۷

(۲۵) تصویر حرام ہے

۱۷۰۔ عن عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: كلّ مصوّرٍ في النّار يجعل الله له بكلّ صورةٍ صوّرها نفسا فتعذّبه في جهنّم.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر مصور جہنم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی تھی ایک مخلوق پیدا کریگا کہ وہ جہنم میں اسے عذاب کریگی۔ فتاویٰ رضویہ حصہ اول ۹/۱۴۳

۱۷۱۔ عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: انّ أشدّ النّاس عذابا يوم القيامة المصوّرون.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیشک نہایت سخت عذاب روز قیامت تصویر بنانے والوں پر ہے۔''

فتاویٰ رضویہ حصہ اول ۹/۱۴۳

۱۷۲۔ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: قال الله تعالى: وَمَنْ أظلم ممّن ذهب يخلق خلقا كخلقي فليخلقوا ذرّةً او ليخلقوا حبّةً او ليخلقوا شعيرةً.

فتاویٰ رضویہ حصہ اول ۹/۱۴۳

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو میرے بنائے ہوئے کی طرح بنانے چلے۔ بھلا کوئی چیونٹی۔ یا گیہوں یا جو کا دانہ تو بنا دے۔''

۱۷۳۔ عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: انّ الّذين يصنعون هذه الصّور يعذّبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیشک یہ جو تصویریں

بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کئے جائینگے۔ ان سے کہا جائیگا یہ صورتیں جوتم نے بنائیں تھیں ان میں جان ڈالو۔''

فتاویٰ رضویہ، حصہ اول ۹/۱۴۳

حوالہ جات

۱۲۸ السنن لابن ماجة، ۱/۱۸۸
السنن الکبری للهیثمی، ۸/۲۲
نصب الرایة للزیلعی، ۴/۳۲۱
الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/۵۱۶
کنز العمال للمتقی، ۳۹۸۹۵، ۱۵/۲۲
حلیة الاولیاء لابی نعیم، ۵/۴۷
الدر المنثور للسیوطی، ۲/۲۵۵
الترغیب والترهیب للمنذری، ۳/۲۹۴
تاریخ اصفهان لابی نعیم، ۱/۱۵۲
المسند للعقیلی، ۴/۳۸۲
تلخیص الحبیر لابن حجر، ۴/۱۴
التفسیر للقرطبی، ۱/۱۵۶
الکامل فی الضعفاء لابن عدی، ۷/۲۷۱۵
مسند الربیع، ۳/۳
الموضوعات لابن الجوزی، ۳/۱۰۳
۱۲۹ المسند لاحمد بن حنبل، ۲/۳۳۷
السنن للدارمی، ۲/۳۲۰
مشکل الآثار للطحاوی، ۱/۲۹
فتح الباری للعسقلانی، ۴/۲۸۲
زدالمسیر لابن الجوزی، ۹/۲۷۸
التفسیر للقرطبی، ۱/۳۰۱
اتحاف السادة للزبیدی، ۵/۳۰۵
التفسیر لابن کثیر، ۸/۵۵۸
البدایة النهایة لابن کثیر، ۱/۵۹
تاریخ اصفهان لابی نعیم، ۲/۲۱۲
۱۳۰ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/۲۰۲
المسند لاحمد بن حنبل ۱/۳۰۸
☆ کنز العمال للمتقی، ۹۳۷۸، ۴/۳۷
☆ تلخیص الحبیر لابن حجر، ۳/۱۹۸
☆ الدر المنثور للسیوطی، ۴/۴۲
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/۳۹۵
۱۳۱ الجامع الصحیح للبخاری، اللباس، ۲/۸۸۰
☆ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/۲۰۱
☆ المسند لاحمد بن حنبل، ۱/۳۷۵
☆ البدایه والنهایة لابن کثیر، ۶/۱۵۴
☆ المعجم الکبیر للطبرانی، ۴/۱۲۹
☆ السنن الکبری للبیهقی، ۷/۲۶۷
☆ مجمع الزوائد للهیثمی، ۵/۲۳۰
☆ تاریخ دمشق لابن عساکر ۲/۴۱۰
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۱/۱۳۳
☆ تاریخ بغداد للخطیب ۱۰/۱۰۸
☆ الترغیب والترهیب للمنذری، ۴/۴۳
☆ جمع الجوامع للسیوطی، ۶۱۹۰
۱۳۲ الجامع الصحیح للبخاری، اللباس، ۲/۸۸۰
☆ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/۲۰۲
۱۳۳ الجامع الصحیح للبخاری، التوحید، ۲/۱۱۲۸
☆ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/۲۰۱
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۱/۱۲۸
☆ فتح الباری للعسقلانی، ۱۰/۳۸۳
☆ السنن الکبری للبیهقی، ۷/۲۶۸
☆ الترغیب والترهیب للمنذری، ۴/۴۱
۱۳۴ الجامع الصحیح للبخاری، اللباس، ۲/۸۸۱
☆ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/۲۰۲
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/۵۳۳
☆ فتح الباری للعسقلانی، ۴/۴۱۶
☆ الترغیب والترهیب للمنذری ۳/۴۳۸

جاری ہے..........

کتاب: احسن الوعاء لآداب الدعاء

تذییل

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾

مصنف: رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان علیہ رحمۃ الرحمن

شارح: مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمن

محشی: مولانا مفتی محمد اسلم رضا قادری

قولِ رضا: سوال بے ضرورتِ شرعیہ اپنے لیے حرام ہے اور مسکین و حاجت مند مسلمانوں کے لیے مانگنا حلال بلکہ سنت سے ثابت ہے اور جب مسئولین پر ظاہر نہ کیا جائے کہ سوال دوسروں کے لیے ہے تو ضرور وہ اپنے ہی لیے سوال جانیں گے اور جو حالت نفس پر وہاں طاری ہوتی، یہاں بھی ہوگی۔ خصوصاً بازار میں دکان دکان گدیہ گروں کی طرح مانگتے پھرنا، خصوصاً جب کہ روزانہ ایک مدت دراز تک ہو، کہ اب تو اگر یہ کہہ کر بھی ہوتا کہ اوروں کے لیے مانگتے ہیں جب بھی شدہ شدہ وہی نوبت پہنچتی کہ کوئی کچھ نہ دیتا۔ مگر اس کے عدمِ ذکر میں کسرِ نخوت بدرجہ اتم ہے۔ [۴۷۹] اس دوسرے طریقۂ سوال میں جب کہ خود ضرورتِ شرعیہ نہ ہو۔ حضراتِ عالیہ یہی صورت ملحوظ رکھتے ہوں گے کہ سوال کیا اور خلق سے چھپ کر خفیہ تصدق فرمادیا۔ مساکین کی حاجت روائی ہوئی، مخلوق نے تصدق کی فضیلت پائی، خود علاوہ تصدق اس تکبر شکنی کی دولت ملی۔ ھذا ما عندی و اللہ تعالی اعلم﴾

تیسرا فائدہ: رعایت ادب کہ مال سب خدا کا ہے۔ خلق صرف وکیل و نگہبان ہے۔ خود بادشاہ سے حقیر چیز مانگنا اور گاہ بہ گاہ اسی سے ہر قسم کا سوال کرنا زیب نہیں دیتا۔ یحییٰ رازی نے اپنی ماں سے کچھ مانگا۔ کہا، خدا سے مانگ۔ فرمایا، اے مادر مہربان! مجھے شرم آتی ہے کہ ایسی چیز خدا تعالیٰ سے مانگوں، اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی خدائے تعالیٰ کا جانتا ہوں۔ یعنی یہ سوال بھی درحقیقت خدا سے ہے۔ مگر ایسی حقیر چیز بلاواسطہ اس سے مانگنا نہیں چاہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولِ رضا: اس کے متعلق بعض کلام مسئلہ ترکِ دعا میں مسطور [۴۸۰] اور اصل یہ ہے کہ جب حاجت متحقق اور طرقِ کسب کی وہ حالت کہ اوپر مذکور اور ترکِ مطلق سبب کی اجازت نہیں، تو رجوع الی السوال آپ ہی ضرور۔ مگر لازم ہے کہ خلق پر نظرِ ظاہر ہو اور حقیقتِ نظر مالک و معطیِ حقیقی عزوجل پر مقصور۔ ایسی حالت میں محض اِبطالِ اسباب چاہ کر یا اللہ! ٹکڑا دے، یا اللہ! پیسہ دے، کہتے رہنا آپ ہی ادبِ شرع سے دور۔ ھذا ماظھر لی فافھم و اللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر یہ بھی وہاں سے جہاں مانگنا سوال ہو۔ محلِ انبساطِ تام میں کہ باہم اتحاد ہو۔ [۴۸۱] ایک دوسرے کے مال میں ایسی مغایرت نہ ہو کہ مانگنے کو ذلت و ننگ و عار یا مانگنا سمجھیں۔ جیسے ماں، باپ، اولاد، زوج و زوجہ کہ اسی عدم مغایرت کے باعث انہیں دینے سے شرعاً زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کہ یہ دینا نہ ہوا بلکہ گویا اپنے صندوقچے کے ایک خانے سے نکال کر دوسرے میں رکھ دینا تو وہاں متعارف انبساط کا عملدرآمد اصلاً سوالِ نہی عنہ [۴۸۲] میں داخل نہیں۔ بلکہ حدیث شریف میں وارد ہے اور فقہ بھی اس کے جواز پر شاہد ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

عن الثوری رحمہ اللہ تعالی انہ سئل عن الاستمداد من عبد غیرہ قال ھو مال غیر فلیستاذنہ و لا احب لہ ان یفعل من غیر استئذان ولا اشارۃ ومھما امکن لایستاذن لانہ سؤال الا ان یکون بینھما انبساط.

مریدوں سے شیخ کی فرمائش اسی اصل کے نیچے آسکتی ہے جبکہ انبساط متحقق ہو اور حالت، عدم بار پر ناطق۔ ورنہ سوال سے بدتر ہے کہ سائل مجبور نہیں کرسکتا اور یہاں آدمی لحاظ کے باعث مجبور ہو جاتا ہے۔ بحال ناگواری جو کچھ لیا، وہ سوال ہی نہیں بلکہ ظلم و غصب مُصادرہ ہے۔ یہ دقیقہ واجب اللحاظ ہے کہ بہت متصوفۂ زمانہ اس میں مبتلا ہیں۔ انہیں اس کا لحاظ فرض ہے اور مریدین کو لازم کہ اپنا مال و جان سب اپنے پیر کی ملک سمجھیں۔ پیر، کہ شرائطِ پیری کا جامع ہو، نائب رسول اللہ ﷺ ہے اور ائمہ دین فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی ملک نہ جانے، حلاوتِ سنت اس کے مذاق جان تک نہ پہنچے۔ [۴۸۳]

قاله الامام سهل التستری نقله الامام القسطلانی فی المواهب وغیره.

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

هَلْ اَنَا وَمَالِیْ اِلَّا لَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ!

''میں اور میرا مال حضور کے سوا کس کے ہیں؟ یارسول اللہ!''

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

خاتمہ

چند ترکیب نمازِ حاجت میں

ترکیب اول: وضوے تازہ اچھی طرح کرے، دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ بعد سلام عرض کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَیَقْضِیْ حَاجَتِیْ. [۴۸۴]

اور اپنی حاجت ذکر کرے۔ یہ دعا صحیح حدیث میں تعلیم فرمائی۔

قولِ رضا: ایک نابینا خدمتِ اقدس حضور سید عالم ﷺ میں حاضر ہو کر اپنی نابینائی کا شاکی ہوا۔ حضور نے یہ نماز و دعا ارشاد فرمائی۔ انہوں نے مسجد میں جا کر پڑھی۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ دونوں آنکھیں کھل گئیں، گویا کبھی اندھے نہ تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ حاکم نے کہا، بخاری و مسلم دونوں کی شرطوں پر صحیح ہے۔ امام ابوالقاسم طبرانی، پھر امام بیہقی، پھر امام منذری وغیرہم ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا، صحیح ہے۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

[۴۷۹] یعنی لوگوں کو یہ نہ بتاتے ہوئے مانگنا کہ دوسرے مسکینوں کے لیے مانگتا ہوں بلکہ بظاہر اپنے لیے ہی مانگتا ہو، اس طرح مانگنے میں تکبر کی کاٹ زیادہ ہوتی ہے۔

[۴۸۰] اُس بعض کلام کو جاننے کے لیے فصلِ ہفتم کے مسئلہ ۵ نیز فصلِ دہم کا مطالعہ فرمائیے۔

[۴۸۱] یعنی ایسا مقام کہ جہاں اپنی اشیاء کے استعمال یا ان میں تصرف کا خوش دلی سے دوسرے کو اختیار دیا جائے اور بالکل دلی تنگی محسوس نہ کی جاتی ہو مثلاً ایک گھر کے افراد کا آپس میں ایک دوسرے کی اشیاء کو استعمال میں لانا۔

[۴۸۲] نہی عنہ اسے کہا جاتا ہے جس سے شریعتِ اسلام میں ممانعت وارد ہوئی ہو۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے مقام پر سوال کرنا شرعاً مذموم نہیں۔

[۴۸۳] یعنی وُہ سنت کی لذت سے محروم رہے گا۔

[۴۸۴] الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ ہمارے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے جو مہربانی والے نبی ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت بر آئے۔

﴿جاری ہے..........﴾

عصمت انبیاء علیہم السلام اور مرسلِ امام زہری کا علمی جائزہ

چوتھی قسط

علامہ مولانا افتخار احمد قادری☆

''سند کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی شرط ہے یعنی ضروری ہے کہ وہ حدیث ایسے راویوں سے مروی ہو جو ثقہ اور پوری نگہداشت کرنے والے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متن بھی صحیح ہو یعنی ایمان کے وہ اصول جو ائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ ان اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ یہ متن ٹکرا نہ رہا ہو اور ان قوی دلائل کے مخالف نہ ہو۔''

پھر آگے پُر جلال اور قطعی لہجہ میں فرماتے ہیں:

وهـذا البلاغ اللَّصيق۔ مع تسليم صحة سنده۔ بُحجة أن صاحبـه ثـقةٌ فـلا يـروي إلا عـن الثقات يتعارض أولاً مع أصلِ أصول الإيمان وهو عصمةُ الأنبياءِ والرسل بمعنى حفظ اللّـه ظواهرَهُم وبواطنهمْ وتفكيرَهم وخواطرهم وسـائر اعمالهمْ حفظًا كاملاً فلايقع منهم قطّ مايشكك في نبوتهم ورسالاتهم''

(محمد رسول الله، ص: ۳۸۷، ج: ۱)

''یہ روایت سے لگا ہوا بلاغ [اس کی سند کی صحت تسلیم کرتے ہوئے اس حجت کے ساتھ کہ صاحب بلاغ ثقہ ہے اور ثقات سے روایت کرتا ہے، یہ بلاغ ایمان کے اصولوں میں ایک اہم اصول کے متصادم ہے اور وہ اصول انبیاء و رسل علیہم السلام کی عصمت ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر و باطن ان کے افکار و خیالات اور سارے اعمال کی مکمل حفاظت فرمادی ہے اس لیے ان سے کبھی کوئی ایسی چیز سرزد نہیں ہو سکتی جو ان کی نبوت اور رسالت میں شک پیدا کر سکے۔''

پھر فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:

''وهـذا البـلاغ الـزهـري لـم يبْق لعصمة النبي ﷺ مـكـانًا في مدة الـحـزن اليـائسِ الَّتي تقول أبطولةُ هذا البـلا غ أنـه مـكثهـا وَيـغـدُو مرارًا كي يتردَّى من شواهقِ الجبال'' (محمد رسول الله، ص: ۳۸۷، ج: ۱)

''اس زہری کے بلاغ یعنی الفاظ نے عصمتِ نبی ﷺ کے لیے کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑی۔ یہ باطلِ بلاغ کہہ رہا ہے کہ اس پورے فترۂ وحی کے زمانہ میں مایوس کن غم واندوہ میں آپ بار بار اپنی زندگی کا چراغ گل کر دینے کے لیے پہاڑوں کا رُخ کرتے تا کہ وہاں سے خود کو گرا دیں۔''

فضیلۃ الشیخ صادق عرجون واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ الفاظ ہمارے نبی ﷺ کی عصمت کے سراسر منافی اور قطعی باطل وزائف اور مردود ہیں۔

امام زہری کے الفاظ سے ترشح ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کو خود اپنی نبوت و رسالت پر شک وارتیاب تھا۔ حالانکہ حق تو یہ ہے کہ آپ کو اپنے نبی و رسول ہونے کا قطعی اور یقینی علم تھا کیونکہ ''اقرأ'' کی آیات کا نزول ہو چکا تھا۔ امام زہری کے الفاظ ملاحظہ کیجیے: جب کبھی پہاڑ کی چوٹی پر جاتے، جبرائیل امین ظاہر ہوتے اور عرض کرتے: أنت رسول الله حقًا۔ آپ اللہ کے یقیناً رسول ہیں اور پھر حضور کو قرار آتا اور واپس آتے۔ پھر جب انقطاعِ وحی کا یہ سلسلہ دراز ہوتا، پھر معاذ اللہ حضور پہاڑ کا رخ کرتے۔ ہم پہلے واضح کر آئے ہیں کہ اگر کوئی صاحبِ علم اس کا قائل ہوتا کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل نے حضور

☆ شیخ الحدیث، دارالعلوم قادریہ، غریب نواز، ساؤتھ افریقہ

کو یہ پیغام دیا، پھر دوبارہ یہ اقدام حضور نے نہ کیا تو بھی کوئی کہہ سکتا تھا کہ تعلیم و حکم آنے سے پہلے یہ فعل سرزد ہوا مگر حیرت انگیز امر تو یہ ہے کہ یہ بلاغ اس کا بھی ساتھ نہیں دے رہا ہے، یہ بلاغ تو کہہ رہا ہے کہ بار بار حضرت جبریل حضور کے اس ارادہ کے درمیان حائل ہوئے اور صرف پہلے فترۃ وحی میں نہیں بلکہ اس کے بعد جب بھی وحی رکتی اور انقطاع کا سلسلہ طویل ہوتا، سید المعصومین ﷺ پہاڑ کا رخ کرتے۔ نعوذ باللہ من ہذا البلاغ الباطل المصادم۔ اس بلاغ زہری کے مسترد کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بلاغ دو چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) ایک دیکھی جانے والی مشاہدہ میں آنے والی چیز جس کے وجود یا عدم وجود کو دیکھ کر فیصلہ کرسکتے ہیں یعنی حضور کا پہاڑوں کا رُخ کرنا یہ مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے۔

(۲) دوسری چیز وہ ہے جو مشاہدہ میں نہیں آسکتی وہ دل کے اندر مخفی چیز ہے وہ ہے دل کا ارادہ۔ اس کا علم کسی کو نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ خود صاحبِ معاملہ بتائے کہ اس کے دل میں کیا ہے یا اس نے اپنے رازداروں کو بتایا ہو، پھر انہوں نے اسے بیان کیا ہو اور یہ محقق ہے کہ حضور نے اس کو کسی سے بیان نہیں فرمایا۔

سرور کائنات ﷺ پہاڑوں کی چوٹیوں پر قبل ظہور نبوت تشریف لے جاتے تھے، حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ حضور غار حراء کی خلوتوں میں اللہ عزوجل کی کائناتی آیات وعجائب کا مشاہدہ فرماتے، یہ ایک مشاہدہ کی چیز ہے۔ اس کا وجود یا عدم وجود کا فیصلہ دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے کیا جاسکتا ہے۔

کیا اچھی توجیہہ ہوگی کہ فترۃ وحی میں انہیں انوار و تجلیات ربانی جو نزولِ وحی اور نزولِ آیات کے وقت حضور کے مشاہدہ میں آئیں، انہی کی دید اور اشتیاق میں آپ پہاڑوں پر تشریف لے جاتے ہوں تاکہ پھر انہی انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرسکیں اور پھر روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی ملکوتی نورانی شکل میں نظر آئیں اور حضور کو ان سے قرار مل جائے، یہ ایک خوبصورت توجیہہ ہوسکتی ہے۔ رہا ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس لیے آپ کا جانا کہ وہاں سے خود کو گرا کر جان دے دیں، یہ ایک پوشیدہ بات ہے جو دل کے نہاں خانے میں مخفی رہنے والی بات ہے۔ اس کا علم صرف اللہ علام الغیوب کو ہوسکتا ہے یا وہ صاحب راز حضور ﷺ جانتے جن کے دل میں وہ ارادہ تھا جس کو کر گزرنے کا عزم کرتے تھے یا سرورِ کائنات کسی اور کو اس کی اطلاع دیتے۔

اور کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے بارے میں کسی کو خبر دی ہو کہ انقطاع وحی کے دنوں میں آپ پہاڑ کی چوٹیوں پر جان دینے کے ارادہ سے جاتے ہوں اس لیے اس بات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا یقیناً ایک منکر اور باطل قول کو منسوب کرنا ہوگا جسے نہ عقلِ سلیم تسلیم کرسکتی ہے اور نہ اصول ایمان کے یہ مطابق ہوسکتی ہے۔

علامہ صادق عرجون متنِ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے قرنِ صحابہ جو سرکار کے بعد سب سے اچھا زمانہ ہے۔ اس عہد مبارک سے بعض مثالیں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: اَوَّلُ مَانَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ''یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ''

(محمد رسول اللہ، ص:۳۸۹، ج:۱)

''سب سے پہلے جو قرآن نازل ہوا وہ 'یاایہا المدثر' ہے۔''

امام نووی فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے بلکہ بالکل باطل ہے اور تم اس دھوکہ میں نہ آنا کہ حضرت جابر جیسے جلالت شان والے کی روایت کیسے رد کی جاسکتی ہے؟ ہاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ جمہور کے خلاف ہے اور ہم صرف جمہور کی تقلید میں اسے باطل قرار نہیں دے رہے بلکہ دلائلِ ظاہرہ کے سبب بھی۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام نووی حدیثِ جابر کو بلا پس و پیش باطل قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ صحابی

جلیل بھی ہیں اور ان کی سند ثقہ ترین سند ہے اور سند میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، جواب یہی ہے کہ صحتِ سند کے ساتھ صحتِ متن بھی شرط ہے، جب سند صحیح ہو اور اس کا متن کسی اصولِ ایمان کے مخالف یا دلائلِ ظاہرہ کے معارض ہو تو اس کو مسترد کر دینا اور باطل قرار دینا فرض ہے، امام نووی حدیثِ جابر کو صرف اس لیے باطل قرار دے رہے ہیں کہ یہ دلائلِ ظاہرہ اور جمہور علماء کے خلاف ہے حالانکہ اس حدیث کی سند اعلیٰ درجہ کی ہے۔

اس مقام پر جب ہم اس بلاغِ زہری کو باطل قرار دے رہے ہیں تو اسلیے کہ اس کی سند پر تنقید کرنے والوں میں علامہ قاضی عیاض، علامہ عینی اور علامہ کرمانی وغیرہم جیسے عظیم علماء بھی ہیں جس کی تفصیل ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ اور اس کا متن ایمان کے اہم اصول عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے سراسر خلاف ہے۔ جبکہ دونوں کے باطل ہونے کی نوعیت میں بڑا فرق ہے، بلاغ زہری پر معقول نقد وطعن ہے اور حدیث جابر عالی اور صحیح ترین سند کے ساتھ مروی ہے اور نقد سے یکسر خالی ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک جانب ایسا بلاغ ہے جو مطعون ہے، جس کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور عصمتِ انبیاء و رسل علیہم السلام کے عقیدہ سے ایسے متصادم ہے جس کی کوئی توجیہہ نہیں اور دوسری جانب سے ایسی حدیث ہے جس کی تاویل کی گنجائش ہے اور اس کا ایسا مفہوم پیش کیا جا سکتا ہے جو دلائلِ ظاہرہ اور جمہور کی آراء سے ہم آہنگ ہو سکے گا۔

علامہ محمد صادق دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"دونوں میں کوئی موازنہ نہیں۔ ایک طرف ایسا بلاغ وخیال ہے جو معطون ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا بند اور مغلق ہے جس کی کوئی تاویل نہیں اور جو ایسے چھوٹے تابعی سے منقول ہے جس میں یہ تک موجود نہیں کہ اس کا قائل کون ہے اور کس ذریعہ سے ان تک پہنچا ہے اور دوسری طرف ایسی صحیح حدیث ہے جس کی سند نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اور جو ایسے صحابیِ جلیل تک پہونچتی ہے جو علم و معرفت کے ساتھ مشہور ہیں اور جس کی صحیح تاویل بھی کی جا سکتی ہے اور کوئی موازنہ نہیں ایک صحابیِ عظیم اور دوسرے تابعی صغیر کے درمیان، اگر ایک صحابی کی طرف ایک خطا منسوب ہو سکتی ہے تو ایک چھوٹے تابعی کی طرف کسی خطا کو منسوب کرنا بہت ہی آسان ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ بلاغ یا اس جیسی دوسری باتوں پر نقد کرنا کوئی نئی بات بھی نہیں بلکہ اس کی نظیریں تاریخِ اسلامی میں موجود ہیں۔

اس کی ایک اور واضح مثال ملاحظہ ہو:

امام مالک رحمہ اللہ نے "موطا" میں روایت کی ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مسئلہ میں غلط قرار دیا، مسئلہ یہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قائل تھے کہ اگر جنبی روزہ دار صبح تک غسل نہ کر سکا تو اس کا روزہ جاتا رہا، جب اُمّ المومنین حضرت عائشہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں گواہی دیتی ہوں کہ حضور صحبت سے صبح تک جنابت کی حالت میں ہوتے احتلام سے نہیں، پھر اس دن کا روزہ مکمل فرماتے (یعنی فجر کا وقت داخل ہو جاتا) جب اس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا مجھے علم نہیں، مجھے کسی خبر دینے والے نے یہی بتایا تھا۔ اس روایت پر کلام کرتے ہوئے امام ابوالولید باجی شرح موطا میں فرماتے ہیں: حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا کہ ابو ہریرہ کا قول صحیح نہیں، یہ ردّ ضروری تھا اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایذاء رسانی نہیں اور نہ ہی انکار باطل کے سلسلہ میں کوتاہی ہے۔

علامہ محمد صادق عرجون کی یہ بحث کچھ اور آگے بڑھی اور انتہائی دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے خود امام زھری ہی کی ایک مثال ڈھونڈ نکالی جس میں امام زہری عظیم راوی حضرت نافع مولی ابن عمر

رضی اللہ عنہما کی تغلیط کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں علامہ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ﴾ میں نافع نے جو حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی اس میں نافع نے غلطی کی ہے۔

نافع عن ابن عمر کے سلسلۂ اسناد پر محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ دوسری سندوں کے مقابلہ میں بلند و ارفع ہے اس کے باوجود امام زہری حضرت نافع کی تغلیط کررہے ہیں حالانکہ زہری اپنی شانِ امامت کے باوجود ثقاہت و ضبط میں حضرت نافع کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتے، تو اس پر کسی کو تعجب نہ ہونا چاہئے کہ امام زہری کا وہ بلاغ باطل اور مسترد کردیا جائے جو عصمتِ انبیاء کے مکمل منافی ہے۔

علامہ محمد صادق بحث کرتے ہوئے یہ سوال قائم فرمارہے ہیں کہ کیا نبی ﷺ نے خودکشی کے لیے پہاڑ سے گرنے کے علاوہ بھی کوئی اور ذریعہ اختیار فرمایا؟

بڑی کوشش اور تلاش کے باوجود بھی مجھے کوئی صحیح یا ضعیف روایت اس سلسلے میں نہ مل سکی، یہاں پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اسی طریقہ پر کیوں اصرار کیا اور فترۂ وحی کے غم و حزن سے نجات پالینے کے لیے اور ذریعہ کیوں نہیں اختیار کیا؟ جس سے واضح ہوگیا کہ سید المعصومین ﷺ نے خودکشی کا کوئی ارادہ نہ فرمایا۔

(محمد رسول اللہ، ص: ۴۱۳، ج:۱)

سید الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ کے جہاں سب پہلو درخشندہ و تابندہ ہیں وہیں آپ کی حیات مبارکہ میں قول و عمل کا تضاد بھی ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

(سورۃ الصف، ۲)

''اے ایمان والو! تم کیوں وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔''

خودکشی کے سلسلہ میں زبانِ نبوت سے یہ ارشاد صادر ہونے والا تھا:

''مَن تردی من جبل فقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالدا مخلدا فيها ابدا'' (شرح مسلم، ص: ۵۶۹، ج: ۱)

''جس نے پہاڑ سے گرکر اپنی جان دی، وہ جہنم کی آگ میں اسی طرح ہمیشہ گرتا رہے گا، یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔''

جو عظیم ہستی پہاڑ سے گرکر خودکشی کرنے والے کے لیے یہ دردناک عذاب کی خبر دینے والی ہو، وہی ہستی اپنی زندگی کے کسی مرحلہ میں اسی خودکشی کے لیے پہاڑوں پر جاتی ہو، یہ کیسا خیالِ باطل ہے، اس کے استبعاد اور ناممکن الوقوع ہونے میں کسی عاقل کو ادنیٰ تامل ہوسکتا ہے؟

جدید اسکالر البانی نے روایت زھری کی سند و متن کے دونوں پہلوؤں کو سمیٹتے ہوئے لکھا ہے:

''روایت زھری ان کا بلاغ ہے اور یقیناً یہ بڑھائے ہوئے الفاظ کسی ایسی سند سے ثابت نہیں جو قابلِ حجت ہو۔

''وإذا عرفتَ عدم ثبوت هذه الزيادة فلنا الحق أن نقول أنها زيادةٌ منكرةٌ من حيث المعنى لأنه لا يليقُ بالنبي المعصوم أن يحاولَ قتلَ نفسِهِ بالتردي منَ الجبلِ مهما كان الدافعُ لهُ على ذلكَ وَهو القائلُ مَن تردى مِن جَبلٍ فقتلَ نفسهُ فهو في نارِ جهنَّم يتردَّى فيها خالدا مخلدا أبدا'' (دفاع عن الحديث النبوی والسيرة، ص: ۴۱)

''اور جب ان الفاظ زائدہ کے بارے میں علم ہوچکا کہ یہ ثابت نہیں تو ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ یہ الفاظ اپنے معنی کے لحاظ سے منکر ہیں اس لئے کہ معصوم نبی ﷺ کی شایانِ شان نہیں کہ خودکشی کرنے کے لیے پہاڑ سے گرنے کی کوشش کریں۔ اس کا سبب چاہے کچھ بھی ہو جب کہ آپ کا فرمان ہے، جس نے پہاڑ سے گرکر اپنی جان دی، وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اور بالدوام اسی طرح گرتا رہے گا۔'' (دفاع عن السنة النبوية و السيرة، ص:۴۱)

﴿جاری ہے.........﴾

قطعۂ تاریخ (سالِ قیامِ پاکستان)

قرآنی مادۂ تاریخ (سالِ قیامِ پاکستان)

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ"

۶ ۶ ۳ ۱ ھ

"خوشخبری مصطفیٰ"

۷ ۴ ۹ ۱ ء

بخششِ کبریا ہے میرا وطن
مصطفیٰ کی عطا و رحمت ہے
عام انداز کا نہیں یہ ملک
خاص اِس کی اساس و ہیئت ہے
یہ غلامانِ مصطفیٰ کا ہے دیس
اس کی محبوبِ حق سے نسبت ہے
حبِّ توحید ہے شناخت اس کی
اس کی پہچان عشقِ حضرت ہے
اس کا قرآن سے ہے رشتۂ خاص
اِس کی قرآن اِک ضرورت ہے
اس کے سالِ قیام کی تاریخ
"لَیْلَۃُ الْقَدْر کی عنایت" ہے

نہیں، اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے نعتیہ کلام میں بلکہ ہر شعر میں علوم و حکم کی ایک کائنات جلوہ بار ہے کلامِ رضا دانش و بصیرت کی ایک ایسی کانِ جواہر ہے جس سے ہر زمانے کے قدر شناس جوہری اپنی ضرورتیں پوری کرتے رہیں گے اور ان بیش بہا موتیوں کی درخشانی و تابانی اہلِ علم و عرفاں، اربابِ عشق و اخلاص کی محفلوں کو منوّر و مستنیر کرتی رہے گی۔

احقر العباد کے ذوقِ نعت کو بڑی حد تک اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے ولولہ انگیز نعتیہ کلام سے بالیدگی و توانائی حاصل ہوئی ہے۔ یہ کلام تازگی و طراوت کا چمنِ سدا بہار ہے۔

فنِ تاریخ گوئی سے میری دلچسپی اور جو معمولی سوجھ بوجھ ہے میں اُس کو بھی فیضانِ رضا سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اِس فن کی مہارت میں ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں۔ جہت و ہیئت کے اعتبار سے آپ نے اس فن کو نئی بلندیوں سے روشناس کیا ہے جن سے اس عظیم الشان فن کے ماہرین بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ جناب کا کلام الٰہی سے تاریخی مادوں کا استخراج (آپ کا سالِ ولادت و سالِ وصال ہی دیکھ لیں) اور اپنی جملہ کتابوں کے تاریخی نام رکھنے کا التزام، اس فن میں آپ کی اُستادانہ حیثیت کا بیّن ثبوت ہے۔

اعلیٰ حضرت کی نعتوں میں کئی مصرعے ایسے ہیں جن سے کسی تاریخی حقیقت کی نشان دہی ہوتی ہے، میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ایک نعت شریف کا پہلا شعر یہ ہے۔

یادش بخیر

سلامِ رضا جن اسرار و حقائق کا خزانہ ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ

واہ کیا جُود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اس شعر کے پہلے مصرعے کے اعداد ۱۲۷۲ نکلتے ہیں جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا سالِ ولادت ہے۔

نیز اس مصرع کے اعداد سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ آپ کی ذاتِ والاصفات، شاہِ بطحا کے جُود و کرم کی مظہر بھی ہے۔

ایک اور نعت شریف ہے جس کا مطلعِ تاباں یہ ہے

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گُلِ زیبا کہوں تجھے

اِس نعت شریف میں جلوہ بار ایک اور شعر کا دُوسرا مصرع یہ ہے

جانِ مُراد و کانِ تمنا کہوں تجھے

اِس مصرع کے اعداد بلحاظِ ابجد ۱۳۶۶ ہیں اور یہی مملکتِ خداداد پاکستان کا سالِ قیام ہے۔

اعلیٰ حضرت نے برِصغیر میں دو قومی نظریہ کی تبلیغ و تشہیر، ہندوستان کو دارالحرب کی بجائے دارُالاسلام قرار دینے کی آواز بُلند کرنے، اشتعال انگیز و طوفان خیز تحریک ہائے ہجرت و خلافت میں اولوالعزمی و استقامت کا یقین افروز مظاہرہ کرنے کی جو اعلیٰ مثال قائم کی، مزید برآں آپ کے جلیل القدر خُلفا و تلامذہ نے تحریکِ قیامِ پاکستان میں جو ولولہ انگیز و جُرأت آمیز کردار ادا کیا اور قائدِاعظم محمد علی جناح کو جو غیر متزلزل تائید و حمایت فراہم کی، مندرجہ بالا نعتیہ مصرع اعلیٰ حضرت کی مومنانہ فراست اور تحریکِ پاکستان میں ''قیادت و شمولیت'' کا ایمان افزا ''غیبی اشارہ'' ہے جو کل بھی مِلّتِ اسلامیہ پاک و ہند کے لیے ایک نویدِ جاں فزا تھا اور آج بھی استحکام و دوامِ پاکستان کے لیے جادہ پیما قافلۂ رضا کے لئے حوصلہ بخش بشارت ہے۔

اعلیٰ حضرت نے حضور پرنور ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو ہمیشہ ''مرادیں برلانے والی اور تمنائیں پُوری کرنے والی مُقدّس ہستی سمجھا

ع دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

''جانِ مُراد و کانِ تمنا'' حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک محبّ و مشتاق ''مُحمّد'' اور ''احمد رضا'' جو ہمیشہ اپنے آپ کو ''عبدالمصطفیٰ'' کہلانے میں فخر و ناز محسوس کرتا تھا' اُس کی زبانِ قلم سے اس مصرع کے ظہور سے ارضِ پاکستان کی شہنشاہِ کونین مُختارِ دارین سرورِ سُلطان العالمین محبوبِ خدا ﷺ سے رشتۂ غلامی و نسبت بندگی کی قبولیت اس کشورِ حسینِ عاشقانِ رسول ﷺ کی انفرادیت و اہمیت' اس کی حفاظت و سالمیت کا دائمی اعلان بھی کرا دیا گیا ہے۔

آیئے جانِ مُراد و کانِ تمنا قاسمِ کنُوز و نعم ﷺ کی اِس عطائے خاص و نعمت بے بہا ارضِ پاکستان کے دفاع و ارتقاع کا عہد تازہ کریں آج کے پُر آشوب احوالِ عالم کو دیکھیں تو یہ ہمارا ''دارالامان'' ہے یہ انشاء اللہ قائم و دائم رہیگا' اس کو نقصان پہنچانے والی طاقتیں (اندرونی و بیرونی) انشاء اللہ نیست و نابود ہو جائیں گی سُنیں اقبال کیا کہ رہے ہیں۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

سفینۂ برگِ گُل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا

.... ××× ....

''شرعی کونسل آف انڈیا'' بریلی شریف کا دوروزہ پانچواں فقہی سیمینار

مورخہ ۲۲/۲۳/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

مطابق ۲۵/۲۶/۲۷/ جولائی ۲۰۰۸ء

مرکزِ اہل سنت ''بریلی شریف'' قوم وملت کی رہنمائی کا فریضہ تقریباً دو سو سال سے انجام دے رہا ہے اور بحسن وخوبی اپنی مرکزی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا قدس سرہ العزیز کی شخصیت، ان کی علمی خدمات نے وہ بلندی حاصل کی کہ آج ہندو پاک میں اہل سنت والجماعت ان کی ذات والا صفات کی طرف منسوب ہو کر پہچانے جاتے ہیں، جس کے لئے علماء اہل سنت نے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' تجویز فرمایا ہے اسی مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لیے ان کے جانشین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ علامہ شاہ محمد اختر رضا مدظلہ النورانی نے مرکزی دارالافتاء، مرکزِ الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف جیسے اہم ادارے قائم فرمائے جہاں سے امت مسلمہ کی رہنمائی کی جارہی ہے۔

''شرعی کونسل آف انڈیا'' کے تحت نو وارد مسائل یا مختلف فیہ مسائل حل کئے جاتے ہیں جو یک گونہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے۔ اور امت مسلمہ کے انتشار واختلاف کے شیرازے کو منتشر ہونے سے بچاتا ہے۔ شرعی کونسل اب تک پانچ کامیاب سیمینار کر چکی ہے جو جدید مسائل ومختلف فیہ موضوعات وعنوانات پر مشتمل ہیں۔ جس میں ملک کے نامور مفتیان کرام شریک ہوئے۔ گزشتہ چار فقہی سیمینار کی رپورٹس اور فیصلے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیے جاچکے ہیں۔ سردست پانچویں فقہی سیمینار کی مختصر رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

پانچواں فقہی سیمینار مؤرخہ ۲۲/۲۳/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵/۲۶/۲۷/ جولائی ۲۰۰۸ء کو مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا کے ''علامہ حسن رضا کانفرنس ہال'' میں (پانچ نشستوں پر مشتمل) منعقد ہوا۔ پانچویں نشست کی سرپرستی امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، نجیب ملت صوفی باصفا حضرت سید شاہ محمد نجیب حیدر قادری برکاتی رضوی، نائب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، رئیس الاتقیاء حضرت مولانا سید شاہ محمد اویس مصطفیٰ قادری واسطی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ چشتیہ، صغرویہ بلگرام شریف، امین شریعت حضرت علامہ محمد سبطین رضا رضوی دام ظلہم النورانی کے سپرد تھیں۔ جبکہ صدارت و نظامت کے فرائض مندرجہ ذیل حضرات نے انجام دیے نشست اول کے صدر و ناظم: حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی جامعہ اسلامیہ روناہی، حضرت مفتی محمد اختر حسین رضوی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی۔ نشست دوم کے صدر و ناظم: محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی جامعہ امجدیہ گھوسی، حضرت مفتی محمد ناظم علی رضوی مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ نشست سوم کے صدر و ناظم، قاضی القضاۃ تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا مدظلہ بانی جامعۃ الرضا بریلی شریف، حضرت مفتی آل مصطفیٰ صاحب جامعہ امجدیہ گھوسی۔ نشست چہارم کے صدر و ناظم، استاذ الفقہا حضرت علامہ قاضی محمد عبدالرحیم بستوی مرکزی دارالافتاء، حضرت مفتی معراج القادری صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ حضرت استاذ الفقہاء مجلس میں دیر سے تشریف لائے اس لئے اس نشست کی صدارت استاذ العلماء حضرت علامہ محمد ہاشم صاحب جامعہ نعیمیہ کے سپرد کی گئی۔ نشست پنجم کے صدر و ناظم، ماہر ہفت لسان حضرت علامہ عاشق الرحمٰن حبیبی جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد، حضرت

مفتی محمود اختر صاحب امام وخطیب حاجی علی روڈ ممبئی۔

۲۲ر رجب المرجب ۱۴۲۹ھ کو بعد مغرب مجلس کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت شریف ہوا بعدۂ شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا محمد عسجد رضا قادری، ناظمِ شرعی کونسل آف انڈیا نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا پھر ناظمِ مجلس نے خطبۂ صدارت کے لئے حضرت تاج الشریعہ دام ظلہ کو دعوت دی تو حضرت تاج الشریعہ مدظلہ کے حکم سے شہزادۂ تاج الشریعہ مدظلہ نے خطبۂ صدارت پیش کیا اس کے بعد محدث کبیر مدظلہ العالی نے ''خطبۂ تنقیح'' پیش کیا جس میں عنواناتِ سیمینار پر روشنی ڈالی گئی۔ پھر مجلس کا اختتام صلوٰۃ وسلام اور دعا پر گیارہ بجے ہوا۔ سیمینار کے منتخب عناوین یہ تھے۔ (۱) حوالہ و دو ملک کی کرنسی کے تبادلہ کا حکم (۲) تبدیلی جنس کی شرعی حیثیت (۳) منیٰ ومزدلفہ کی توسیع وتحدید کی شرعی حیثیت۔ دوسری، تیسری چوتھی نشست میں تینوں موضوعات پر مندوبین نے کھل کر آزادانہ ماحول میں بحثیں کیں اور انہیں حل بھی کرلیا۔ پانچویں مجلس میں رجسٹر میں فیصلے نوٹ کر کے اراکین فیصل بورڈ اور مندوبین کے دستخط لے لیے گئے اور فیصلے کی ایک ایک کاپی جملہ مندوبین کو دیدی گئی اور چھٹے فقہی سیمینار کے لیے ایک سوالنامہ بھی مندوبین کی خدمت میں پیش کردیا گیا اس نشست میں مندوبین نے اپنے اپنے تأثرات کا بھی اظہار فرمایا اور کچھ مندوبین نے تحریری تأثرات بھی پیش فرمائے۔ نہایت اچھے ماحول میں سیمینار کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

سیمینار کے پروگرام کو راقم الحروف نے مرتب کیا جس کے تحت جامعۃ الرضا کے اساتذۂ کرام اور منتخب طلبۂ عظام نے اپنی اپنی ذمہ داری نبھائی، اور مجلس کے دیگر انتظام وانصرام میں جناب مولانا محمد شہاب الدین رضوی سکریٹری آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ مولانا عابد رضا نوری، حافظ غلام مرتضیٰ عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) صاحبان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سیمینار کے فیصلے اور تفصیلی رپورٹ ماہنامہ ''سنی دنیا'' شمارہ ستمبر میں ملاحظہ فرمائیں، سیمینار کے بعد حضور تاج الشریعہ کی نگرانی، میں ایک خصوصی میٹنگ ہوئی جس میں یہ طے ہوا کہ پانچویں فقہی سیمینار کے مقالات و فیصلے کو ''صحیفۂ اسلامی'' کے نام سے مرتب کر کے منظر عام پر لایا جائے جس کی ذمہ داری چند حضرات کے سپرد کی گئی۔ انشاء اللہ جلد ہی وہ شمارہ آپ کی آنکھوں کو زینت بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ السلام کے صدقہ مرکز اہل سنت بریلی شریف کے فیضان کو عام وتام فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وصحبہ اجمعین۔

فیصلہ

حوالہ و دو ملک کی کرنسیوں کے تبادلے کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کا پانچواں فقہی سیمینار منعقدہ ۲۲،۲۳ر رجب المرجب ۱۴۲۹ھ/۲۶،۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ، اتوار

فقہی سیمینار مورخہ ۲۲،۲۳ر رجب المرجب ۱۴۲۹ھ کی دوسری اور تیسری نشستوں میں کرنسی نوٹوں اور ان کے حوالہ کے کاروبار سے متعلق بحثوں کا اختتام درج ذیل فیصلوں پر ہوا۔

(۱) ہر قسم کے کرنسی نوٹ خواہ ایک ملک کے ہوں یا مختلف ملک کے سبھی ثمن اصطلاحی اور مال متقوم ہیں کما ھو مصرح فی الفتاویٰ الرضویۃ مرارا کثیرۃ و علیہ العمل عند علماء العام قاطبۃ.

(۲) ممالک مختلفہ کے کرنسی نوٹ اگرچہ مختلف ناموں سے موسوم ہوں نوع واحد ہیں کہ ان سب کی اصل کاغذ ہے اور اغراض و مقاصد بھی متحد ہیں یعنی قوت خرید، اگرچہ کرنسی نوٹ مالیت میں مختلف ہیں اور یہ اختلاف تقوم کی قلت وکثرت کا ہے نہ کہ نوع کا یہ ایک ملک کے

مختلف المالیۃ کرنسی نوٹ کی طرح ہیں۔

(۳) کرنسی نوٹوں کو دوسرے نوٹوں سے خواہ ایک ملک کے ہوں یا چند ممالک کے (تعیین البدلین) کے ساتھ ان پر لکھی ہوئی قیمتوں سے کم و بیش پر بیع کرنا جائز ہے البتہ ثمنیت کی وجہ سے احد البدلین پر قبضہ ضروری ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے رسالہ ''کفل الفقیه الفاهم فی اهکام قرطاس الدراهم'' میں ہے:

''وتحقیق ذالک ان بیع النوط بالدراهم کالفلوس بهالیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ما خلق للثمنیة بما خلق لها کما فسره به البحر والدرو غیرهماو معلوم ان النوط والفلوس لیست کذالک وانما عرض لها الثمنیة بالا صطلاح مادامت تروج والافعروض و بعدم کونه صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونها اثمانا بالرواج لا بد من قبض احد الجانبین والا حرم لنهیه صلی الله علیه وسلم عن بیع الکالی بالکالی والمسألة منصوص علیها فی مبسوط الامام محمد واعتمده فی المحیط للامام السرخسی والحاوی والبزازیة والبحر والنهر وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرها وهو مفاد کلام الا سبیجابی کمانقله الشامی عن الزین عنه'' فتاویٰ رضویہ ۷/۱۴۷، رضا اکیڈمی ممبئی۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

''نوٹ کو نوٹ کے بدلے میں بیچنا بھی جائز ہے اور اگر دونوں معین کرلیں تو ایک نوٹ کے بدلے میں دو نوٹ بھی خرید سکتے ہیں جس طرح ایک پیسے سے معین دو پیسوں کو خرید سکتے ہیں روپوں سے اس کو خریدا یا بیچا جائے تو جدا ہونے سے پہلے ایک پر قبضہ ہونا ضروری ہے جو رقم اس پر لکھی ہوتی ہے اس سے کم و بیش پر بھی نوٹ کا بیچنا جائز ہے دس کا نوٹ پانچ یا بارہ میں بیع کرنا درست ہے جس طرح ایک روپے سے۔ ۶۴ پیسے کی جگہ سو پیسے یا پچاس پیسے بیچے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں'' بہار شریعت ۱۱/۲۰۷ بیع صرف کا بیان فاروقیہ بک ڈپو۔

(۴) ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کو حوالہ کمپنی کے ذریعہ اجرت پر دوسرے ملک تک اس طرح بھیجنا کہ اس دوسرے ملک کے کرنسی نوٹ ادا کیے جائیں یہ منی آرڈر کی طرح تصحیحاً للعقد جائز ہے فتاویٰ رضویہ میں حاجت تصحیح عقد کے متعلق ہے۔

''یشیر الی الجواب بان الحاجة الی تصنیح العقد تکفی قرینة علی ذلک ولا یلزم کون ذلک ناشئا عن نفس ذات العقد کمن باع درهما ودینارین بدرهمین و دینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع أن نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر'' حاشیہ فتاویٰ رضویہ ۷/۱۶۰ رضا اکیڈمی ممبئی۔

ہدایہ میں ہے:

ولنا أن المقابلة المطلقه تحتمل مقابلة الفرد بالفرد کما فی مقابلة الجنس بالجنس وانه طریق متعین لتصحیحه فتحمل علیه تصیحا لتصرفه وفیه تغییر وصفه لا اصله لانه یبقی موجبه الا صلی وهو ثبوت الملک فی الکل بمقابلة الکل وصار هذا کما اذا باع نصف عبد مشترک بینه وبین غیره ینصرف

الی نصیبہ تصحیحا لتصرفه بخلاف ما عد من المسائل. (ہدایا آخیرین ص ۱۰۷ کتاب الصرف)

اس کے تحت فتح القدیر میں امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

"ولكن الاصحاب اقتحموه بناء على أصل اجماعي وهو أن مهما أمكن تصحيح تصرف المسلم العاقل يرتكب وله نظائر كثيرة" (فتح القدیر ۶/۲۶۹ کتاب الصرف بیروت)

(۵) حوالہ کمپنی کے ذریعہ کسی ملک کی کرنسی دوسرے ملک میں اجارہ پر اس طرح بھیجنا کہ اس دوسرے ملک کی کرنسی ادا کی جائے منی آرڈر کی طرح اجارہ ہے جو قرض پر مشتمل ہے۔

(۶) حکومتوں کے رجسٹرڈ بینک اور صرافہ کے حکومت سے مجاز دفاتر ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک کی کرنسیوں کی شکل میں کسی ملک یا شہر سے دوسرے ملک یا شہر تک اجرت و کمیشن پر پہنچاتے ہیں یہ صورت بھی منی آرڈر کی طرح جائز ہے لان قراطیس النوط مختلفة المالية نوع واحد۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ بینک کا ڈرافٹ صرف ایک رسید ہے نہ کہ ثمن یا مبیع اسی لیے ضائع ہونے کی صورت میں دوسرا ڈرافٹ بینک ادا کرنے پر مجبور ہے۔

(۷) حکومت کی طرف سے غیر منظور شدہ بعض اشخاص اجرت پر کرنسیاں مابین الممالک منتقل کرتے ہیں ایسے دفاتر و اشخاص بعض اوقات قانونی گرفت میں آجاتے ہیں اور ان کو دی گئی رقمیں یا تو قُرق ہوجاتی ہیں یا جرمانہ ورشوت میں خرچ ہوجاتی ہیں اور مرسل الیہ یا محال لہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ ایسے لوگوں سے اجارہ کے کاروبار میں ضیاع مال و ذلت نفس کا اندیشہ قوی ہے ایسے لوگوں سے مراسلت رقوم کا اجارہ نہ کیا جائے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الثانية ان من الصور المباحة مايكون جرما في القانون ففي اقتحامه تعريض النفس للاذى والاذلال وهو لا يجوز فيجب التحرز عن مثله وما عدا ذلك مباح سائغ لا حجر فيه. (فتاویٰ رضویہ ۷/۱۱۵)

(۸) بعض صرافے صرف یہ بتاتے ہیں کہ فلاں کرنسی نوٹ کی ہندوستانی کرنسی ہندوستان میں اتنی دی جائے گی وہ مقدار اجرت ظاہر نہیں کرتے حالانکہ عاقدین میں سے ہر ایک کو یہ معلوم ہے کہ قابل ادا کرنسی اجرت وضع کر کے طے ہورہی ہے اس صورت مسئلہ میں مرسل پر اجرت کی جہالت مفضی الی النزاع نہ ہونے کی وجہ سے یہ عقد اجارہ جائز ہے فاسد نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دستخط اراکین فیصل بورڈ)

(۱) قاضی القضاۃ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی

(۲) محدثِ کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دام ظلہ العالی

(۳) ماہر ہفت لسان حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن حبیبی مدظلہ العالی

فیصلہ
تبدیلیِ جنس کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کا پانچواں فقہی سیمینار منعقدہ ۲۲،۲۳/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ/ ۲۶، ۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ، اتوار

(۱) موجودہ حالات میں تبدیلیِ جنس کی کوشش حرام ہے اور اس کا عمل کرانا بدرجہ اولیٰ حرام ہے اور تبدیل جنس کی کوئی ضرورت شرعیہ نہیں ہے اور نہ حاجت شرعیہ، البتہ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق اگر اسکی دماغی حالت اس مریض کے لئے مہلک ہو تو اس کے دماغ کا مناسب علاج کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق آپریشن سے جو جنسی تبدیلی ہوتی ہے وہ شرعاً تبدیلیِ جنس نہیں۔ اس سائنسی عمل سے پہلے انسان جس

جنس میں شمار ہوتا تھا اس سائنسی عمل کے بعد بھی اسی جنس میں شمار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مذکورہ بالا فرضی تبدیلیِ جنس کے بعد بھی اس کے دینی و دنیاوی احکام و معاملات وہی ہوں گے جو پہلے تھے، البتہ ایسے افراد سے معاشرے میں فتنوں کا اندیشۂ قوی ہے اس لیے سدِّ بابِ فتنہ کے لئے ان پر شرعی پابندیاں عائد کی جائیں، اس قسم کے کسی مصنوعی وجعلی مرد کا کسی عورت یا مصنوعی وجعلی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہرگز صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دستخط اراکین فیصل بورڈ)

(۱) قاضی القضاۃ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی

(۲) محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دام ظلہ العالی

(۳) ماہرفت لسان حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن حبیبی مدظلہ العالی

فیصلہ

منیٰ ومزدلفہ کی تحدید وتوسیع کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے پانچواں فقہی سیمینار منعقدہ ۲۲،۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ/ ۲۶،۲۷/ جولائی ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ، اتوار

(۱) الف: منیٰ ومزدلفہ وعرفات کی حدود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے جس طور پر متعین ہیں ادائے مناسک کے لیے انہیں حدود کا اعتبار ہے جو مناسک سنت ہیں وہ سنت اور جو فرض یا واجب ہیں وہ فرض یا واجب۔

ب: ملک العلماء کاسانی علیہ الرحمۃ نے بدائع میں وادیِ محسر کو موقف مزدلفہ میں داخل قرار دیا ہے اور وادی محسر میں وقوف کو جائز مع الکراہۃ فرمایا ہے۔ جیسا کہ بدائع میں ہے:

فيكره النزول فيه ولو وقف به اجزأه مع الكراهة والافضل ان يكون وقوفه خلف الامام على الجبل الذى يقف عليه الامام وهو الجبل الذى يقال له "قزح" لانه روى ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وقف عليه وقال " خذوا عنى مناسككم" ولانه يكون اقرب الى الامام فيكون افضل ـ والله تعالى اعلم ـ (بدائع ج ۳ ص ۸۹/ ۸۸)

لیکن امام ہمام و علامہ شامی نے وادیِ محسر کو حدود مزدلفہ و منیٰ دونوں سے خارج قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

وليس وادى محسر من منى ولا من المزدلفه، فالا ستثناء فى قوله" ومزدلفه كلها موقف الا وادى محسر" منقطع، واعلم ان ظاهر كلام القدورى والهداية وغيرهما فى قولهم" مزدلفه كلها موقف، الا وادى محسر، وكذاعرفة كلهاموقف الا بطن عرنة ان المكانينليسا مكان وقوف، فلو وقف فيهما لا يجزيه كما لو وقف فى منى سواء قلنا ان عرنة و محسرا من عرفة ومزدلفة اولا، وهكذا ظاهر الحديث الذى قدمنا تخريجه وكذا عبارة الاصل من كلام محمد، ووقع فى البائع! واما مكانه، يعنى الوقوف بمزدلفة فجزء من اجزاء مزدلفة، الاانه لا ينبغى ان ينزل فى وادى محسر، وروى الحديث ثم قال: ولو وقف به اجزاه مع الكراهة، وذكر مثل هذا فى بطن عرنة: اعنى قوله الاانه لا ينبغى ان يقف فى بطن عرنة لانه عليه السلام نهى عن ذلك واخبرأنه وادى الشيطان الخ. ولم يصرح فيه بالاجزاء مع الكراهة كما صرح به فى وادى محسر ولا يخفى ان الكلام فيهما واحد، وما ذكره غير مشهور من كلام الاصحاب، بل الذى يقتضيه كلامهم عدم الاجزاء، واما الذى يقتضيه

النظر ان لم یکن اجماع علی عدم اجزاء الوقوف بهما، ویکون مکروها لان القاطع اطلق الوقوف بمسما هما مطلقا، وخیر الواحد منعه فی بعضه فقیده، والزیادة علیه بخبر الواحد لا تجوز فیثبت الرکن بالوقوف فی مسماهما مطلقا، والوجوب فی کونه فی غیر المکانین المستثنین وان لم یکونا من مسما هما لا یجزی اصلا وهو ظاهر والاستثناء منقطع۔

(فتح القدیر ج ۲/ ۴۹۵، ۴۹۶، برکات رضا)

اور شامی میں ہے:

(قوله الا وادی محسر) بضم المیم وفتح الحاء المهملة وکسر السین المهملة المشددة وبالراء، والا ستثناء منقطع لانه لیس من منی، کما اشار الیه الشارح.

(قوله لیس من منی) صوابه لیس من مزدلفة لانها محل الوقوف، (قوله أو ببطن عرنة) ای الذی قرب عرفات، کما مر.

(قوله لم یجز) ای لم یصح الاول عن وقوف مزدلفة الواجب ولا الثانی عن وقوف عرفات الرکن.

(قوله علی المشهور) ای خلافا لما فی البدائع من جوازه فیهما، فتح.

(ردالمحتار ۲/ ۱۹۱ مطبع فیض القرآن)

اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اسی قول آخر پر حکم صادر فرمایا، جیسا کہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں ہے:

جب وادیِ محسر[۱] پہنچو ۵۴۵ ہاتھ بہت جلد تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی کہ جس سے کسی کو ایذا ہو۔

اس کے تحت حاشیہ منہیہ میں ہے۔

[۱] یہ منیٰ، مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے دونوں کی حدود سے خارج، مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ہاتھ تک ہے۔ یہاں اصحاب الفیل آکر ٹھہرے تھے اور ان پر عذاب ابابیل اترا تھا اس سے جلد گزرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/ ۱۰۱۷، رسالہ انوار البشارہ مطبع رضا اکیڈمی)

سیمینار کے مندوبین بھی اسی پر متفق ہیں۔ عذر نا گزیر کی صورت میں قول بدائع پر عمل کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جن حجاج کے خیمے حدود منیٰ سے باہر ہیں وہ لوگ حدود میں اپنی نمازیں گزارنے اور ذکر کے لئے کچھ وقت صرف کرنے پر قادر ہوں تو ایسا ضرور کریں تاکہ بالکلیہ سنت فوت نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر وقوف مزدلفہ خاص انہیں حدود میں کیا جو عہد رسالت میں مزدلفہ تھا تو واجب ادا ہوگیا یہ وقوف طلوع فجر سے طلوع شمس تک اس طرح واجب ہے کہ کسی عذر کی بنا پر ترک ہوجائے تو دم واجب نہ ہوگا۔ اعذار کی تفصیل انوار البشارہ و بہار شریعت سے معلوم کی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) دسویں ذی الحجہ کی رمی جمرہ عقبہ اور گیارہویں بارہویں کی رمی جمرات ثلثہ واجبات حج سے ہے۔ منیٰ کا قیام لیل ونہار ان کی شرط وجوب نہیں۔ البتہ اگر تیرہویں کی شب کے کل یا جز میں منیٰ میں اتنا قیام کیا کہ صبح صادق ہوگئی تو اس دن کی رمی واجب ہے۔ ترک کرے گا تو دم واجب ہوگا۔

تیرہویں کی رمی کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے مگر زوال شمس سے قبل مکروہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دستخط اراکین فیصل بورڈ)

(۱) قاضی القضاۃ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی

(۲) محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دام ظلہ العالی

(۳) ماہر فن لسان حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن حبیبی مدظلہ العالی

﴿مرسلہ: مولانا محمد یونس رضا مونس اویسی۔ نائب صدر المدرسین جامعۃ الرضا و مدیر ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف﴾

حضرت الحاج محمد مقبول احمد ضیائی علیہ الرحمۃ

علامہ محمد منشا تابش قصوری *

مقبولیت ومحبوبیت کسبی نہیں، وہبی ہوتی ہے۔ اس کا تعلق مال و منال جاہ وحشمت، ظاہری شان وشوکت اور علم وعقل سے نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ کی کرم نوازی اور عطا سے ہے، عطائے الٰہی بلا اتباعِ حبیبِ کبریائی ممکن نہیں۔

ہر قسم کی مادی وروحانی نعمتوں کی قاسم حبیب رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہے چنانچہ خود سید عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَاللّٰہُ یُعْطِیْ اَنَا قَاسِمٌ۔ اور اللہ تعالیٰ عطا فرما رہا ہے، میں تقسیم کرتا جارہا ہوں۔ اس ارشاد میں مادی و روحانی کسی بھی عطا کا تخصص نہیں اور وقت کی تعیین بھی نہیں۔ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا سلسلہ بند ہوتا ہے اور نہ ہی قاسم نعم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم رکتی ہے۔ امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا۔

رب ہے مُعطی یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

رب العٰلمین کی انہی عطاؤں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی محمد مقبول احمد ضیائی قادری علیہ الرحمۃ کو مقبولیت ومحبوبیت خاصہ سے بہرہ مند فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے بین الاقوامی سطح پر خاصی شہرت کے مالک بن گئے۔ ان کا مشن مسلکِ حق اہلسنّت وجماعت کی ہر سطح پر خدمت تھا، خصوصاً کتب امام احمد رضا اور علمائے اہلسنّت کی نہایت اعلیٰ اور عمدہ پیرائے میں طباعت واشاعت اور پھر ان کی مفت تقسیم۔

اپنے اس پروگرام کو مربوط اور مضبوط نیٹ ورک سے چلانے میں بڑی حد تک کامیاب وکامران رہے۔ پہلے اس سے کہ موصوف کی مسلکِ حق کے لیے خدماتِ جلیلہ سے آگاہ کیا جائے۔ اختصار کے طور پر ان کی زندگی کے چند پہلو قلمبند کیے جاتے ہیں۔

محترم المقام حضرت الحاج محمد مقبول احمد ضیائی قادری علیہ الرحمۃ ۱۴؍اگست ۱۹۳۷ء کو بھارت کے مشہور شہر امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین اور خاندان کے اکثر افراد مذہب ومسلکِ حقہ پر بڑی مضبوطی سے کاربند تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی صوفی مستری مبارک علی ہے جو اپنی وضعداری، تہجد گزاری اور شب بیداری کے ساتھ ساتھ خدمتِ خلق میں اپنا ایک نام اور مقام رکھتے تھے۔

امرتسر کے سُنّی عوام وخواص نے بزمِ احناف کے نام سے ایک ملک گیر تنظیم قائم کی جس کے ذریعہ مذہب حنفیہ کی خوب خوب تشہیر ہوئی۔ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ملکی سطح پر عظیم الشان سالانہ جلسہ ہوتا جس میں اکابر اہلسنّت کا نورانی اجتماع اپنی ہی بہار دکھاتا۔ ایک بار جلسے کے اشتہار میں حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا نام اشتہار میں پہلے اور حضرت محدث اعظم ہند اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کا نام بعد میں تھا، چونکہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کو حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی۔ اس بناء پر آپ نے منتظمین جلسہ کو مطلع فرمایا کہ امسال میں جلسہ میں شمولیت نہیں کروں گا۔ اس پر منتظمین جلسہ پریشان ہوئے کہ آپ نے کس وجہ سے انکار فرمایا جب کہ پہلے بخوشی پروگرام کی تاریخ عطا فرما چکے ہیں۔

امرتسر سے ایک وفد آپ کی خدمت میں مرادآباد حاضر ہوا اور گزارش کی، آپ جلسہ میں کیوں تشریف نہیں لا رہے؟ آپ نے فرمایا، کچھوچھہ شریف سے مجھے خصوصی نسبت حاصل ہے۔ آپ لوگوں نے حضرت محدث اعظم ہند کا نام نامی میرے نام کے بعد اشتہار میں درج کرلیا ہے۔ میں یہ بے ادبی برداشت نہیں کرسکتا لہٰذا آپ کو عدم

* مدرس، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

شرکت کی اطلاع کردی تاکہ وقت پر آپ کو پریشانی لاحق نہ ہو۔

یہ بات سنتے ہی ان لوگوں نے معذرت کی اور نیا اشتہار طبع کرایا جس میں حضرت محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کا نام پہلے اور صدر الافاضل کا اسم گرامی بعد میں رقم تھا۔ واہ، وہ کیسے عظیم انسان تھے۔ مگر آج کل تو بات ہی کچھ اور ہے۔

امرتسر ہی وہ شہر ہے جہاں سے فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب قادری نقشبندی علیہ الرحمۃ (کوٹلی، لوہاراں) نے ''الفقیہ'' نام سے ہفت روزہ کا اجراء کیا جو سالہا سال تک مسلک کی ترجمانی باحسن وجوہ سرانجام دیتا ہے جس کے ٹائٹل پیج پر پاکستان قائم ہونے سے قبل ہی یہ کلمات درج تھے ''الفقیہہ امرتسر پاکستان''۔

اسی مشہور شہر میں مخدوم العلماء والمشائخ الحاج محمد مقبول احمد ضیائی قادری علیہ الرحمۃ پیدا ہوئے اور عجیب اتفاق کہ ۱۴؍اگست پاکستان کی پیدائش کا دن بھی ہے گو حاجی صاحب اور پاکستان کے سنِ ولادت میں دس سال کا فرق ہے مگر تاریخ ایک ہی ہے جو اچھے شگون پر دال ہے۔

حاجی محمد مقبول احمد ضیائی کے والد ماجد صوفی مستری مبارک علی قادری علیہ الرحمۃ پاکستان کے منصہ شہود پر آنے سے دو سال قبل ۱۹۴۵ء میں مستقل طور پر لاہور آکر آباد ہوچکے تھے جو وقت کے مشہور ولی کامل حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمۃ سے بیعت کا شرف رکھتے تھے۔ مرحوم جب لاہور تشریف لائے تو علاقہ بھر کے چھوٹے، بڑے، بوڑھے، بچے، مرد، عورتیں، سبھی آپ کے خصائل وشمائل کے معترف ہوگئے۔ یہاں پر بھی انہوں نے غربا ومساکین اور فقراء کا خوب خیال رکھا۔ ان کی ضروریات حسبِ استطاعت پوری فرماتے رہے۔

الحاج محمد مقبول احمد ضیائی قادری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے والد ماجد کے مشن پر بڑی استقامت سے عمل کیا۔ ان کی رفاہی، سماجی، اسلامی، دینی، مسلکی خدمات کو دیکھتے ہوئے الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے مجلسِ رضا کا امین وخازن مقرر فرمایا اور آپ نے پوری امانت و دیانت سے مجلس کے آمد وخرچ کا حساب رکھا۔ بعض اوقات تو ہزاروں روپے اپنی جیب سے کتابوں کی اشاعت میں صَرف فرمادیتے۔ مگر یہ مبارک عمل بعض حضرات کو پسند نہ آیا اور مجلس کو شہید کردیا۔

حاجی صاحب مرحوم جن کے دل ودماغ پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا عشق گھر بنا چکا ہے کیسے سکون لینے دیتا۔ چنانچہ اسی دن مرحوم جامعہ نظامیہ رضویہ تشریف لائے اور حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہما اللہ تعالیٰ اور راقم السطور محمد منشا تابش قصوری غفرلہٗ کی حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے کمرے میں مشاورت ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ ''رضا اکیڈمی، لاہور'' کے نام سے مجلسِ رضا کے مشن کو زندہ رکھا جائے۔ اس دن سے تادمِ وصال، حضرت مفتی صاحب، علامہ شرف صاحب، حاجی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے عہد پر عمل پیرا رہے اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ پاک وہند میں یہ شخصیتیں امر ہوگئیں اور اب یہ ضعیف وناتواں عمر کے آخری حصہ میں اپنے ان بلند مرتبت رفقاء کی فرقت وجدائی کے صدمات سے دوچار پکار رہا ہے۔

بگذار تا بگریم چو ابرِ نو بہاراں
از سنگ گریہ خیزد وقتِ وداعِ یاراں

اور ان صدمات میں نازشِ لوح وقلم مسعودِ ملک وملت، ماہرِ رضویات حضرت علامہ الحاج ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مظہری مجددی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال نے مزید اضافہ کردیا۔ جب راقم ماضی کے جھروکے میں دیکھتا ہے تو ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتا ہے۔ کیا وقت تھا، کیا سماں تھا، جامعہ نظامیہ رضویہ میں پاک وہند کی بلند مرتبت شخصیات کی آمد آمد تھی، بہار پر بہار تھی، جامعہ اشرفیہ (مبارک پور، انڈیا) اور جامعہ نظامیہ کے اربابِ قلم یوں محسوس ہوتے تھے کہ ان کے درمیاں کسی قسم کی کوئی سرحد قائم نہیں، مگر اب تو حد ہوگئی۔ کئی اُدھر کے اربابِ علم وقلم چل بسے اور کئی اِدھر کے۔ اب یہ ناچیز تابش قصوری کسے آواز دے۔ کون ہے جو اس کے دکھڑے سنے اور فرقت وجدائی کے زخموں پر مرہم رکھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت الحاج محمد مقبول احمد ضیائی علیہ الرحمۃ اکابر علماء و مشائخ پاک و ہند کے نہایت اعلیٰ میزبان تھے۔ آپ کے ہاں بڑی بڑی بلند مرتبت شخصیات تشریف لاتی رہیں اور کئی کئی روز ان کی میزبانی کی سعادت حاصل کرتے رہے، چند نام ملاحظہ ہوں جن کا لاہور میں آپ کے ہاں قیام رہا اور اکناف واطراف میں آنے جانے کی جملہ سہولتیں مہیا فرمائیں۔

- حضرت علامہ تقدس علی خان صاحب قادری رضوی علیہ الرحمۃ (پیر جو گوٹھ، سندھ)
- حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان قادری رضوی دامت برکاتہم (بریلی شریف، انڈیا)
- حضرت علامہ مفتی ریحان رضا خان قادری رضوی علیہ الرحمۃ (بریلی شریف، انڈیا)
- حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ (صاحب زلزلہ) (جمشید پور، انڈیا)
- حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (ممبئی، انڈیا)
- حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہٗ (ممبئی، انڈیا)
- حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری علیہ الرحمۃ (کراچی)

ان کے علاوہ اور بہت سے نام ہیں مگر انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جب آپ کے تفصیلی حالات قلمبند کئے جائیں گے، بیشتر نام درج کئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

حاجی صاحب مرحوم چار بھائی تھے اور اب اس دار فانی سے سبھی کوچ فرما چکے ہیں۔ آپ نے متعدد حج اور عمرے ادا کئے۔ قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی سے بیعت کا شرف پایا۔ حاجی صاحب نے رضا اکیڈمی سے نشر و اشاعت کے محاذ پر اتنا کثیر اور عمدہ کام کیا ہے کہ تین صد کے قریب مختلف ناموں پر پندرہ لاکھ سے زائد کتابیں شائع کر کے بین الاقوامی سطح پر مفت تقسیم کیں۔ کئی علمائے کرام کو اپنی گرہ سے فتاویٰ رضویہ جدید کامل خرید کر ان کی خدمت میں پیش کیا نیز جس جس کتاب کی علمائے کرام کو ضرورت ہوتی اور آپ سے ملاقات کر کے طلب کرتے تو فوراً مہیا فرماتے۔

اس کے علاوہ جامع مسجد رضا، مدرسہ ضیاء الاسلام اور رضا فری ڈسپنسری سے ہزارہا مریضوں کو استفادہ کا موقع فراہم کیا اور ان تمام امور کو سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ وقت پر اپنے کاروبار کو بھی باقاعدہ احسن طریقہ سے مکمل فرماتے۔ فرائض نمازوں کی باجماعت پابندی آپ کا خاصہ رہا، نیز نوافل باقاعدگی سے ادا فرماتے، تہجد کے تو عاشق تھے، دلائل الخیرات شریف آپ کے محبوب ترین وظائف کا اہم حصہ تھا جسے روزانہ ختم فرماتے۔ جب علیل ہوئے تو نمازِ عصر مسجد میں ادا فرماتے ہی گھر آئے اور خاموشی سے لیٹ گئے۔ پھر وصال کے وقت تک کوئی بات نہ کی۔ آخر ۸ر جون ۲۰۰۸ء/۱۳ر جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ بروز اتوار کو آپ نے اپنے گھر پر وصال فرمایا۔ پیر ۱۱ بجے شب ہزارہا اہلِ محبت نے سینکڑوں علماء کی موجودگی میں حضرت میراں حسین زنجانی علیہ الرحمۃ کے مزار پُر انوار کے وسیع و عریض احاطہ میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ آپ کی آخری بار زیارت کرتے کرتے رات کا ایک بج گیا۔ پھر جامع مسجد رضا سے متصل ڈسپنسری کے کمرہ کو آپ کی مستقل آرام گاہ بنا کر لحد میں اتارا گیا، پھر صلوٰۃ و سلام کی گونج میں ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔ خیال رہے کہ نمازِ جنازہ حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث و ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے پڑھائی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ، مرحوم کو جوارِ رحمت سے نوازے، ان کے اکلوتے صاحبزادے کو صبر جمیل اور جزائے جزیل مرحمت فرمائے اور انہیں مرحوم و مغفور کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امین قائدین ختم نبوت کو سلام

الیس ایم افتخار

محمد کی غلامی دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس ملک کی ساٹھ سالہ تاریخ شاہد ہے کہ اس میں کئی تحریکوں نے جنم لیا جن میں کچھ نے کامیابیاں حاصل کیں اور کچھ نے ناکامیاں۔ بعض بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہوگئیں۔ ''تحریک ختم نبوت'' جو کہ اپنے نام کی طرح عظیم تحریک ہی نہیں بلکہ اس ملک کے حوالہ سے عالم اسلام کی ایک انمول تاریخ بن گئی وقت کے مورخ سے لے کر رہتی دنیا تک اس کا ذکر ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جاتا رہے گا۔

رسوائے زمانہ ''قادیانی'' جن کی گستاخیاں ایک عرصہ سے جاری تھیں اور ان کے سدِ باب کیلئے مسلمانان عالم بالخصوص برصغیر پاک و ہند کے مسلمان اپنی غیرتِ ملی کے تحت ہر وقت ان منکرینِ ختم نبوت کی سرکوبی کرتے رہتے۔ قادیانی افراد کی جانب سے ان کے کفریہ اور گمراہ کن عقائد اکثر سامنے آتے رہتے جن کی وجہ سے ہر مسلمان کے دل پر زخم لگتا مگر کوئی حکومت (ادارہ اور افراد) مضبوط طریقہ سے ان کی سرکوبی نہ کرسکی۔ بالآخر ان کی یہ شیطانیاں بڑھتی گئیں یوں 29 مئی 1974ء کو ربوہ (چناب نگر) کا عظیم سانحہ پیش آیا جب اس جماعت کے گرو مرزا طاہر کی قیادت میں ان ظالموں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مسلمان طلباء پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے تو اس ملک کے ہر مسلمان کا دل اس واقعہ سے پارہ پارہ ہوگیا۔ مسلمان اس واقعہ سے بھڑک اٹھے اور ان کی آنکھوں اور دل کے جذبات نے فیصلہ دے دیا کہ اب ان کا قلع قمع ضروری ہے نہیں تو ان گستاخوں کی گستاخیاں بڑھتی جائیں گی اور اب یہ معاملہ ختم ہوجانا چاہیے۔ مسلمان جن کا عقیدہ و ایمان ہے کہ اگر کوئی ان کے خدا عزوجل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف ذرہ برابر بھی گستاخی کرے تو اُس کا خون کھول جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق مسلمان ایک جسم ہے جس کے جسم کے کسی حصہ کو تکلیف پہنچے تو سارے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اسلامیانِ پاکستان نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ اس ملک میں محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیوانوں مستانوں کی حکومت ہے۔ یہ ملک تو بنا ہی عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پرچار کے لئے ہے۔ ان گستاخوں سے بدلہ لینے کا وقت آگیا آخر فرعون کے گھر موسیٰ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اس ملک کی اکثریتی عوام اہلسنّت کے قائدین مولانا ابوالحسنات سید محمد شاہ، مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد ملت عبدالستار خاں نیازی، مولانا غلام غوث ہزاروی، علامہ عبدالمصطفےٰ الازھری رحمۃ اللہ علیہ، صاحبزادہ فضل کریم اور دیگر عمائدین نے دوسرے مسالک کے علماء سے ملاقات کر کے اس کے خلاف ملک گیر احتجاج کا سلسلہ شروع کیا پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، ہر گلی، محلہ، بازار، تعلیمی ادارے غرض ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمان ایک ہی آواز لگا رہے تھے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیکر ان کا حقہ پانی بند کیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ وہ نیکوں سے بڈ اور بدوں سے نیک کام لے لیتا ہے۔ قطع نظر اس کے اُس وقت اس ملک کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم تھے مگر شاید خدا نے اُن کی آخرت بہتر کرنے کیلئے ان سے یہ عظیم کام لیا کہ تاریخ میں دنیا انہیں اس معاملہ کی وجہ سے قابل احترام سمجھتی ہے۔ قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس وقت قومی اسمبلی کے معزز رکن تھے اپنے دیگر 28 اراکین کے دستخطوں کے ساتھ قومی اسمبلی میں اگست کے آخری ہفتہ میں بل پیش کر دیا۔

یہ بل جسے قائد اہلسنّت علیہ الرحمۃ نے اپنی انتہائی غیرت ایمانی کی وجہ سے اراکین کے ذریعہ اسمبلی میں پیش کیا حزب اختلاف کی ایک کاوش تھی جب کہ قائدِ حزبِ اختلاف مفتی محمود تھے اور قائد ایوان عوامی وزیر اعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو تھے انہوں نے ربوہ (چناب نگر) کے سانحہ کیلئے اور قادیانی مسئلہ پر سفارشات مرتب کرنے کیلئے فوری طور پر قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کو یہ بل اور معاملہ سونپ دیا۔ سپیکر اسمبلی فاروق علی خان کی زیر صدارت اجلاس شروع ہوا۔ اسمبلی میں اس نازک مسئلہ پر بحث شروع ہوئی پھر سرکاری طور پر یہ بل حکومت نے وزیر قانون پیرزادہ عبدالحفیظ کے ذریعہ پیش کیا۔ کمیٹی کے روبرو قادیانی اور لاہوری گروپ نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو اسمبلی کی کمیٹی کے روبرو اپنا موقف پیش کرنے کیلئے بلایا گیا۔ اسمبلی میں کئی روز اس بل پر جرح ہوتی رہی بالآخر فیصلہ کی گھڑی قریب آگئی۔ پاکستان کی تاریخ کا عظیم دن آگیا۔ جب اس ملک کے اعلیٰ ایوان میں قائدین اور عوام کی امنگوں کا چراغ روشن ہوا اور اس تاریخ ساز دن کی صبح نے خوشی اور کامیابی سے انگڑائی لی 5 اور 6 ستمبر 74ء کو اٹارنی جنرل پاکستان معروف قانون دان یحییٰ بختیار نے بحث کو سمیٹا اُن کا اراکین اسمبلی کے سامنے دو روز تک تفصیلی بیان ریکارڈ ہوا جس میں انہوں نے مسلمانوں کے حق میں پر جوش دلائل دیئے اور پھر 7 ستمبر 1974ء کا تاریخ ساز دن آگیا جب قومی اسمبلی نے اپنا تاریخ ساز فیصلہ دیا کہ ''قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں'' ان کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اس فیصلہ کا اعلان ہونا تھا کہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں بالخصوص پاکستان کے غیور مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مسلمان اپنے رب کے حضور سر بسجود ہو گئے نبی ﷺ کی عظمت کے متوالے سڑکوں پر آگئے ہر چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

قائد اہلسنّت مولانا شاہ احمد نورانی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ اور دیگر اراکین چوہدری ظہور الٰہی، غلام غوث ہزاروی، علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری، علامہ سید محمد علی، مولانا عبدالحق، پروفیسر غفور احمد، احمد رضا قصوری وغیرہ کا کردار قابل تعریف تھا جنہوں نے اپنی کامیاب حکمتِ عملی کی بدولت وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ذریعہ سرکاری طور پر قادیانیوں کو اقلیت قرار دلایا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔

29 مئی 1974ء کو شروع ہونے والی تحریک بالآخر 7 ستمبر 1974ء کو اپنے انجام کار کو پہنچی۔ اس کے دوران ہزاروں جلوس، ریلیاں، اجتماع، مظاہرے ہوئے پورا ملک سراپا احتجاج بنا رہا۔ ملک پاکستان کے اس تاریخ ساز فیصلہ کی بدولت پوری دنیا میں اسلامیانِ پاکستان نہ صرف بلکہ عالم اسلام کا سر فخر سے بلند ہو گیا اور گستاخوں کو انجام تک پہنچا دیا گیا۔ آج قادیانی خود اپنے لیے گالی بن کر رہ گئے ہیں۔ جبکہ تاریخ اس تحریک کے نامور سپوتوں علمائے کرام، مشائخ عظام، سیاستدان، عمائدین، وکلاء، صحافی، مزدور، کسان، عوام اور شہدا تحریک ختم نبوت کو تا ابد خراج تحسین پیش کرتی رہے گی اور عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کے چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔ اس ملک کی تاریخ گواہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس میں جو بھی تحریک بالخصوص اسلام کی تحریک چلی تو اس میں قائدین اہلسنّت، عوام، مشائخ اہلسنّت، اکابرینِ اہلسنّت نے اپنے خون سے اسے سینچا۔ 1940ء کی بنارس سنی کانفرنس جس کے ذریعہ اس ملک کی بنیاد سے دستبردار ہونے والوں اور مخالفین کو یہ پیغام دیا گیا کہ عوام اہلسنّت خود قیادت کرے گی اور پاکستان کی بنیاد رکھے گی۔ یوں یہ ملک بن گیا اس ملک کی نوے فیصد اکثریتی فقہ حنفی سنی عوام نے ہر آڑے وقت میں ملک کیلئے تن من دھن کی بازی لگائی تحریک پاکستان سے لے کر تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ اور تحریک ختم نبوت سے لیکر تحریک ناموس رسالت ﷺ تک ہر وقت قائدینِ اہلسنّت پیش پیش رہے جنہوں نے نہ صرف قید و بند کی صعوبتیں حاصل کیں بلکہ اپنی جانوں کے

نذرانے بھی دیے قائدین اور عوام اہلسنت کیلئے قید و بند کی صعوبتیں، جیلیں، کوڑے، سختیاں، مصیبتیں جوتے کی نوک پر رہتی ہیں جبکہ عظمت مصطفی ﷺ کو ہمیشہ اپنے سروں کا تاج بنائے رکھتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ 29 مئی سے لیکر 7 ستمبر 1974ء کے 102 دن قائدین اہلسنت کی قیادت میں عوام اہلسنت کے دلوں میں راج کرتے رہے پورے ملک میں قائدین مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، مجاہد ملت عبدالستار خاں نیازی، غزالیِ زماں سید احمد سعید شاہ کاظمی، صاحبزادہ فضل کریم، سید جمال الدین کاظمی، حاجی حنیف طیب، عبدالمصطفیٰ ازہری، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، سید حسین الدین، ظہور الحسن بھوپالی، خواجہ حمید الدین سیالوی، رفیق باجوہ ایڈووکیٹ مرحوم، حافظ تقی مرحوم، علامہ ابوالحسنات سید محمد شاہ قادری، عبدالحامد بدایونی، شاہ عارف اللہ قادری، مفتی مختار احمد گجراتی، مولا ضیاء اللہ قادری، سید زاہد علی شاہ، مولانا غلام فرید، مولانا مشتاق احمد چشتی، حافظ الحدیث احسان الحق، مولانا معین الدین قادری، مولانا عبدالقادر شہید، مولانا محمد افضل کوٹلوی، علامہ صفدر علی رضوی، مولانا شیر محمد سیالوی، ملک محمد سلیمان، ماسٹر خوشی محمد انصاری، رشید احمد نوری، محمد اشرف شاکر قادری، میاں اعجاز احمد قادری، صاحبزادہ سید افتخار الحسن، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا اقبال چراغوی، سید حبیب الرحمٰن شاہ سابق جج شرعی عدالت کشمیر، سید محفوظ الحق شاہ، سید زبیر شاہ چکوال، مفتی عبدالرحیم سکھر، مولانا ولی النبی مردان، مولانا حسن علی میلسی، قاری محمد طیب جھنگ، مراتب علی شاہ، خان محمد جمشید خان، مولانا پیر محمد پشاور، سید محمود احمد رضوی، سید شمس الزماں، سید عبدالغفور شاہ، مفتی اسرار الحق، سید جلال الدین شاہ، حافظ عبدالحمید نقشبندی، مولانا محمد عارف رضوی ملتانی، چوہدری محمد صدیق رندھاوا ایڈووکیٹ، مولانا عبدالرشید جامی، علامہ عطاء محمد بندیالوی، مولانا غلام رسول رضوی، مولانا عبدالتواب اچھروی، شاہ تراب الحق قادری کراچی، علامہ اقبال احمد فاروقی، حکیم محمد موسیٰ، مولانا اکبر ساقی، قاری علی اکبر نعیمی، سید برکات احمد شاہ، سید محمد یعقوب احمد شاہ، مولانا ابوداؤد صادق یہ وہ چند نام ہیں جو اس تحریک کے نامور ستارے ہیں۔ جبکہ تفصیل کیلئے دفتر درکار ہے۔ قائدین اہلسنت کی قیادت میں یہ تحریک کراچی تا خیبر، گوادر تا کشمیر، شمالی اور قبائلی علاقہ جات میں چلی کیونکہ اسلامیان پاکستان نے یہ عہد کیا تھا "قادیان" کے گند کو صاف کرنے کیلئے اب سردھڑ کی بازی لگانی ہے چاہے اس کیلئے کتنی ہی قیمت چکانی پڑے۔ اس تحریک میں اسلامیان پاکستان نے جس طرح دامے، درمے، سخنے، قدمے، جہاں بھی جیسے بھی حصہ لیا وہ تا قیامت قابل رشک ہے۔ ملک کے تمام آستانوں کے سجادہ نشین اپنے مریدین اور متوسلین کے ہمراہ اس تحریک میں پیش پیش رہے۔ عوام اہلسنت نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ جیلیں برداشت کی مگر عظمت مصطفی ﷺ کی خاطر پیچھے نہیں ہٹے بالآخر قادیانوں کو غیر مسلم قرار دلوا کر اپنی منزل حاصل کر لی اور نبی اکرم ﷺ کے سچے اُمتی ہونے کا ثبوت دیکر آخرت کی شفاعت کا سامان کر لیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے نہ جانے اس ملک میں کن کن افراد نے کس کس طرح حصہ لیا کچھ تو وہ ہیں جنہیں کیمرے کی آنکھ نے، کاغذ کی تحریر نے اور ریکارڈنگ نے زبان کی حرارت کو محفوظ کیا لیکن ہزاروں ایسے پروانے جو ختم نبوت پر قربان ہوئے۔ قابل رشک ہیں۔ بالآخر شرعی، اخلاقی اور قانونی طور پر 7 ستمبر 1974ء کے دن اللہ جل شانہ کی نصرت اور تاجدار ختم نبوت، حضور شافع یوم نشور، حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عظمت کے طفیل دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گئے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی چوکھٹ پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

صدر العلما محدث بریلوی .... قدیم اسلاف کے حقیقی وارث تھے

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

چراغ ایک سے بڑھ کر ایک بجھتے چلے جارہے ہیں اور تیرگی پھیلتی جارہی ہے، یہ وہ چراغ نہیں جو تیل سے جلتے ہیں یا وہ ٹیوب لائٹ نہیں جو الیکٹرک کنکشن کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ وہ چراغ ہیں جو علوم نبوت کے انوار سے روشن ہوتے اور دنیا میں اجالے پھیلاتے ہیں، ان چراغوں کے بجھنے سے تاریکیوں میں دنیا ڈوبنے لگتی ہے۔ صدر العلما حضرت مولانا شاہ تحسین رضا خان، محسن اہل سنت حضرت مولانا شاہ عبدالحکیم شرف قادری اور ماہر رضویات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہم الرحمہ، ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا، علم و عمل کے یہ چراغ بجھ گئے اور ہم اندھیرے میں ڈوبتے چلے گئے۔ خدا ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں ان کا بدل اور نعم البدل عطا فرمائے۔

صدر العلما حضرت مولانا حکیم حسنین رضا خان کے بیٹے تھے اور استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان کے پوتے تھے۔ استاذ زمن امام احمد رضا کے حقیقی بھائی تھے، جن کو حضرت داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، حکیم حسنین رضا امام احمد رضا کے بڑے چہیتے تھے، علم و عمل میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے، امام احمد رضا کی سرپرستی میں انہوں نے بڑا علمی کارنامہ انجام دیا۔ مطبع اہل سنت و جماعت کے پلیٹ فارم سے بڑی علمی خدمات انجام دیں، نہایت خوش خط تھے، ان کی ایک بیاض (ڈائری) میری نظر سے گزری ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتب و مضامین تحریر فرمانے سے قبل ضروری نوٹس تیار کیا کرتے تھے یا دوران مطالعہ کار آمد باتوں کو نوٹ کرلیا کرتے تھے۔ حکیم حسنین رضا کو یہ موقع ملا کہ وہ امام احمد رضا کے ایام علالت اور وصال کے وقت حاضر بارگاہ رہے، امام احمد رضا نے وصیت لکھوائی اور انہوں نے لکھی، جو 'وصایا شریف' کے عنوان سے مطبوع و معروف ہے۔

صدر العلما بریلی میں پیدا ہوئے، بریلی میں تحصیل علم کی، کچھ دن کے لیے فیصل آباد (پاکستان) محدثِ اعظم مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ کے پاس بھی تشریف لے گئے، بریلی میں مسند تدریس بچھائی، درسگاہ ضرور بدلی، پر شہر نہیں بدلا، یہی حال امام احمد رضا کا تھا، تعلیم لینے، تعلیم دینے اپنی حویلی سے باہر کہیں گئے ہی نہیں۔ پھر بھی حسد کے ماروں نے بے سروپا کی یہ اڑادی کہ وہ اور اشرفعلی تھانوی ہم سبق تھے۔ بے سروپا کی یہ بات مجھ سے کئی لوگوں نے پوچھی اور پوچھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی کی کتاب ''کہی ان کہی'' ڈھونڈ کر پڑھیں، تاکہ انہیں حقیقت کا علم ہو، یوں بھی بات عقلاً غلط ہے اور نقلاً بھی۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔ صدر العلما نے اولاً مظہر اسلام میں، ثانیاً مظہر اسلام میں، ثالثاً جامعہ نوریہ اور رابعاً و مختصراً مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا میں درس و تدریس کی مسند بچھائی۔ پڑھتے پڑھاتے بے ریش سے باریش اور سیاہ سے سفید ہوگئے اور وہ بریلی جو مرکز اہل سنت ہے، مرکز العلم بھی ہے، پورے برصغیر کا بغداد العلم بھی ہے۔ یہ تنزّ لا ہے، ورنہ اس میں توسیع کا امکان ابھی اور بھی ہے۔ اس بریلی کی چاروں درسگاہوں میں جو شخص شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہا ہوگا، وہ بھی عمر بھر، تو انہوں نے کتنا پڑھایا ہوگا؟ کیا کیا پڑھایا ہوگا اور اطراف ہند سے ٹوٹ کر آنے والوں نے کتنا اور کیا کیا پڑھا ہوگا؟ کیف و کم کا تعین اس بے بضاعت قلم سے بالا تر ہے۔ صدر العلما سے سند علم اور سلسلۂ طریقت رکھنے والے دنیا کے تمام براعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

میری دانست میں ان کی کوئی کتاب نہیں، شاید موقع نہ ملا، یا توجہ

نہ دی، وجہ جو بھی رہی ہو، کتاب سے انسان کی قدر و قیمت متعین نہیں ہوتی، وہ خود کتاب تھے، زندگی کتاب تھی، حیات کا ہر حصہ کتاب تھا، کتاب گھر تھے وہ، کتاب گر تھے۔ وہ، چہرہ چہرہ کتاب، ناک نقوش کتاب، چال ڈھال کتاب، رفتار و گفتار کتاب، حیات کتاب، ممات کتاب، حیات و ممات کا ہر حصہ کتاب، ہر لحہ کتاب، بچپن کتاب، شباب کتاب، ضعیفی کتاب، گھر آنگن کتاب، آل اولاد کتاب، شاگرد کتاب، مرید کتاب، مدرسہ کے طلبہ کتاب، مسجد کے مصلی کتاب، مجلس کے مجلسی افراد کتاب، دور دراز سے آکر صحبت میں بیٹھنے والے کتاب، سفر کتاب، حضر کتاب، جلوت کتاب، خلوت کتاب، سوئے تو کتاب، اٹھے تو کتاب، چلے تو کتاب، بیٹھے تو کتاب، خموشی کتاب، گویائی کتاب، صبح کتاب، شام کتاب، دن کتاب، رات کتاب، تنہا کتاب، مجمع کتاب، گھر کتاب، باہر کتاب، بولتی بات کرتی کتاب، ہنستی مسکراتی کتاب، کھاتی پیتی کتاب، چلتی پھرتی کتاب، ایک ہی کتاب، جس کا ورق ورق کتاب، صفحہ صفحہ کتاب، سطر سطر کتاب، لفظ لفظ، حرف حرف کتاب، ہاں! ان کی حیات کتاب تھی، علم و حکمت کی کتاب، دین و سنت کی کتاب، فکر و دانش کی کتاب، رشد و ہدایت کی کتاب، یقین و ثبات کی کتاب، ایمان و اعتقاد کی کتاب، وہ جہاں رہے، جہاں گئے، کتاب ہی کتاب تصنیف کرتے چلے گئے۔ بس ان کی اک نگاہ پڑ گئی، کتاب تیار ہو گئی۔ کتنے محدثین، کتنے مفسرین، فقہائے زمن، قاضیانِ عدالت، مفتیانِ شریعت، مناظرینِ اہل سنت، پیرانِ طریقت، قلمکارانِ میدانِ سیاست و صحافت، استاذانِ مدارس، امامانِ محراب و منبر، خطیبانِ جہاں، ادیبانِ عصر، شاعرانِ دہر، ثنا خوانِ ہزار فخر اور مریدان با صفا کو ان کی نظر کیمیا گر نے تصنیف کر دی ہے کہ ان کا ہر شاگرد ایک کتاب ہے، ہر مرید ایک تصنیف ہے، ہر مرید، ہر شاگرد، ہر اولاد، ہر پڑوسی ان کی تصنیف ہے کہ وقت کی کوئی جدت، جدیدیت، بدعقیدگی، تزلزل، تشکیک، دہریت، صلح کلیت، دیو بندیت، وہابیت اثر انداز ہو ہی نہیں سکتی، رنگ ایسا چوکھا چڑھا دیا گیا ہے۔

جس کو دیکھا، وہ کتاب، جس نے دیکھا، وہ کتاب، جس نے ان کو پڑھا، وہ کتاب، جس نے سنا سمجھا، وہ کتاب، بڑے بڑے ادیب، بڑے بڑے خطیب، کتاب لکھتے، خطاب کرتے، نہ کتاب پر عمل، نہ خطاب پر خیال، نہ کتاب کا عامل، نہ خطاب کا قائل، دونوں کی طبیعت زر، زن، زمین کی طرف مائل، صدرالعلما نہ ادیب تھے، نہ خطیب، جو کہا، اس پر عمل کیا، جس پر عمل کیا وہی کہا، جو دل میں، وہ زبان پر، جو زبان پر، وہی عمل میں؛ قرآن، نزولِ قرآن اور حاملِ قرآن کا یہی ہے مطلوب۔

صدرالعلما گھر میں ہوتے، اہل و عیال سے خوش طبعی فرماتے، ہنس مکھ رہتے، موقع ملتا، گھریلو کام میں ہاتھ بٹاتے، ٹوپی سی لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، وقت پر جو ملا، کھا لیا، خدا کا شکر بجا لایا، ضرورت پڑی، بازار گئے، کبھی پیدل، کبھی سائیکل رکشہ پر، حوائج کی چیزیں خریدتے، خود سے اٹھا لاتے، نہ نوکر، نہ چاکر، نہ لاؤ، نہ لشکر، اذان ہوئی، مسجد گئے، باوضو تو رہتے ہی تھے، کبھی وضو کر بھی لیتے، نماز پڑھاتے، دعا کرتے، محلے کے مصلی و مقتدی صف بستہ کھڑے ہو کر دست بوسی کرتے، دعائیں لیتے، وہ دعائیں دیتے، خیر و خبر معلوم کرتے، مسجد کے دروازے پر ہندو مسلم مرد و عورت اپنے بیمار بچے لیے کھڑے رہتے، بابا دم کرتے، تیل یا پانی پڑھ دیتے، کبھی تعویذ دے دیتے، گھر لوٹ جاتے، یہ پنج وقتہ معمول تھا، فجر نماز کے بعد درس قرآن دیتے، درس حدیث دیتے، یہ دروس جو انہوں نے پچیس، تیس برس پہلے شروع کیے تھے، اخیر دم تک جاری رکھے، درس ہوا، مکان گئے، ہلکا پھلکا ناشتہ کیا، چائے پی، درسگاہ کی راہ لی، جہاں وہ طالبان علوم نبوت کی تدریس نہیں، دل و دماغ، فکر و نظر تصنیف کرنے بیٹھ جاتے، دوپہر ظہر سے پہلے تک علوم شرعیہ و شرقیہ ان کے کورے

اذہان پر چھاپتے رہتے، چھٹی ہوئی، گھر آئے، اذان ہوئی، نماز ظہر پڑھی یا پڑھائی، کھانا کھایا، قیلولہ کیا، کتب بینی کرتے، تعویذ لکھتے، ملاقاتیوں سے ملتے، ان کے دکھڑے سنتے، مداوا کرتے، عصر پڑھتے، بعد عصر بھی یہی کرتے، مغرب بعد بھی قریب یہی معمول رہتا، مطالعہ کرتے، عشا پڑھتے، کھانا کھاتے، ضروری کام نپٹاتے، سو جاتے، رات ڈھلے جاگ جاتے، تہجد پڑھتے، تلاوت کرتے، اوراد و وظائف کرتے، فجر کی اذان ہوتی، مسجد کے لیے نکل پڑتے، پھر معمولات کا کانٹا وہیں پہنچ جاتا، جہاں سے گردش شروع ہوئی تھی۔

صدر العلما بریلی کی گلیوں یا شاہراہ پر چلتے، تو راہ گیر رک جاتے، دکان دار کھڑے ہو جاتے، دکانوں سے نکل آتے، مسلم سلام کرتے، دعائیں لیتے، ہندو، سکھ، عیسائی آداب بجالاتے، آشیرواد لیتے، بچے ہوتے، ادب کرتے، عورتیں ہوتیں، پردہ کر لیتیں، حکام احترام کرتے، پولیس وانتظامیہ تعظیم کرتی، طلبہ، علما، مدرسین، ائمہ، خاندان کے شہزادے، صاحبزادے، نوجوان افراد خاندان، ہم عمر بزرگ حضرات گرامی ان کی راہ میں فرش راہ رہتے، ٹوٹ کر محبت کرتے، عزت واحترام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، ملک بھر کے جید علما، مستند فقہا، معتبر مفتیان کرام، تمام سجادہ نشینان خانقاہ ہند، سادات گرامی قدر، غرض کون ہے، کیا ہے، کہاں ہے، جو ان کی قدر نہیں کرتے، سر نیاز خم نہیں کرتے، ان کو بزرگ، برتر، رہبر، راہ نما، حق نما، مفتی اعظم نما نہ جانتے، وہ جہاں رہے، جیسے رہے، بڑے تھے، بڑے رہے، کبھی بڑائی جتائی، نہ بڑائی کا رعب جھاڑا، سادہ تھے، سادہ رہے، سادگی سے گئے، ایسی سادگی کہ عام افراد میں شناخت مشکل، مگر اس سادگی پر ہزار حسن قربان، اپنی بستی، اپنے شہر، اپنے خاندان، اپنے ملک میں، بچپن، جوانی، بڑھاپا، جہاں گزرا ہو، زندگی کا چڑھاؤ اتار، نشیب وفراز اور حیات کا ہر پل جن کے سامنے ہو، وہاں، ان کے نزدیک یہ عزت، یہ بلندی، یہ مقام، اللہ اللہ! سبحان اللہ!!

صدر العلما کبھی چھپے نہیں، چھپے رہے، مگر جوہر شناس نظروں نے انہیں پہچان لیا، بریلی کی گلیوں سے اٹھا کر بہار، بنگال، جھارکھنڈ، اترانچل، مدھ پردیش، مہاراشٹرا، آندھرا پردیش، تک لے گئے، ان کے وجود نایاب نے خلق خدا کو سیراب کیا، وہ جہاں پہنچتے، لگے کہ مٹھاس پہنچی ہو، چونٹیاں جمع ہونے لگتیں، شمع جل اٹھتی، پروانے نثار ہونے لگتے، ایک بھیڑ، ایک خلقت اکٹھی ہو جاتی، ان کا دیدار کرتی، فیض اٹھاتی، دامن سے وابستہ ہوتی، اپنی قسمت جگاتی، آخرت سنوارتی۔

وہ غریبوں کی دعوت قبول کر لیتے، غربت کدوں میں ٹھہر جاتے، روکھا پھیکا کھا لیتے، کسان، چرواہے، گنوار، دہقانی قسم کے لوگ عقیدت سے ملنے آتے، وہ جی کھول کر ملتے، نہ کوئی تاخیر، نہ نہ آنے کی تاکید، نہ تنفر، نہ تکدر، جو آتا کھل کر اپنی داستان دکھ سناتا، وہ سنتے، تسلی دیتے، دعا دیتے، امیر، غریب، بچہ، بوڑھا، جو آتا، بھرپور ملتا، خوش خوش واپس جاتا، کوئی ایسا نہیں، جس کی زبان پر کسی قسم کا شکوہ ہو، وہ صدر العلما تھے، محدث بریلوی تھے، نائب نبی، وارث رسول تھے، جانتے تھے، نیابت کا منصب کیا ہے، وراثت کا مطلب کیا ہے، اس کا تقاضا کیا ہے، جبھی تو لوگوں نے جب چاہا، لے گئے، جہاں چاہا، بٹھا دیا، جو چاہا، کھلا دیا، جیسا چاہا، برتاؤ کیا، نہ کرایہ، نہ اے۔سی، نہ کار، نہ ٹیکسی، نہ کھان پان، نہ رہن سہن، نہ تقاضا، نہ نذرانہ، کسی چیز کی نہ فرمائش، نہ طلب، نہ ہوس، جو ملا ٹھیک، نہ ملا ٹھیک، دیالو کو بھی دعا، منگتا کو بھی دعا، سب برادر، سب برابر، نہ سر دیکھ کے سلام، نہ پگڑی دیکھ کر انصاف، یہ تھی ان کی دلربا ادا، پھر کون ہے، جو ان پر جان نہیں چھڑکتا، دل نگار نہیں کرتا۔

میرے گاؤں ہری پور، ہانسی، ضلع پورنیہ، بہار وہ بار ہا تشریف لے گئے، میری بستی یا آس پاس کی بستیاں، برسات میں جائیے، تو لگے گا کہ یہ بستیاں نہیں، جزائر ہیں، چاروں طرف ہریالیاں، پانی

سے گھری ہوئی یا پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی بستیاں، نہایت خوشنما ماحول، پرفضا مقام، ایک دفعہ برسات میں تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری مدظلہ العالی بائسی تشریف لائے، میرے گاؤں کے حضرت مولانا عبدالحئی نوری دامت برکاتہم، جو میرے قریبی رشتہ دار ہیں، ہری پور جانے کے لیے تیار کر لیے، بائسی سے فقیر ٹولی چوک تک تو ماروتی سے لائے، اب وہاں سے ہری پور جو چند قدم پر ہے، کیسے لے جائیں، بیچ میں نالے پانی سے پر تھے، کرایہ کی جو کشتیاں چلتی تھیں، وہ غائب تھیں، کش مکش کے عالم میں مولانا نوری نے چار پائی منگائی، ازہری میاں کو بٹھایا، چار علما یا علما نما لوگوں نے کاندھوں پر اٹھایا، نالے پانی عبور کر کے بیٹھک تک لائے۔ حضور ازہری میاں جو اندر سے جمال، باہر سے جلال میں بھرے ہوئے تھے، ہچکولے، ہلکورے کھاتے ہوئے فرمایا: یا اللہ! لوگ مرنے کے بعد چار کے کندھوں سے اٹھائی ہوئی کھاٹ پر سوار ہوتے ہیں، آپ لوگوں نے مجھے جیتے جی ہی سوار کر دیا۔ یہ سن کر لوگ قہقہہ میں ڈوب گئے۔ لوگ آتے گئے، سنتے گئے، قہقہے بلند ہوتے گئے، یہاں تک کہ یہ بات تمام اطراف میں پھیل گئی، جو سنتا، ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں، تو زیر لب مسکرا دیتے ہیں۔

بات تھی صدر العلما کی، وہ میری بستی اور اطراف بائسی متعدد بار تشریف لائے، تنظیم المسلمین کے مہتمم حضرت مولانا رحمت حسین کلیمی کا یہ کرم تھا، وہ بریلی کے بزرگوں کو بلاتے، پورے علاقے کو سیراب، فیضیاب ہونے کا موقع دیتے، حضرت کلیمی صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے، خدا ان کی قبر ٹھنڈی رکھے۔ ہاں! تو صدر العلما تشریف لاتے، ہفتوں ہفتہ، مہینوں مہینہ قیام فرماتے، جلسوں کی صدارت کرتے، دینی تقریبات کی قیادت کرتے، تمام چاہنے والوں کے یہاں جاتے، روحانی تربیت کرتے، سواری کبھی کار، ماروتی، کبھی آٹو رکشہ، کبھی سائکل رکشہ، کبھی بیل گاڑی اور کبھی پیدل بھی آمد و رفت کرتے۔ ایک دفعہ حضور ازہری میاں نے ان سے کہا: ''آپ ضعیف ہو گئے ہیں، بہار و بنگال کے دورے نہ کریں''، صدر العلما کا جواب تھا: ''مجھے بہار و بنگال کی بستیوں میں مفتی اعظم ہند چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، وہاں ان کی خوشبو محسوس ہوتی ہے، ان کی محبت مجھے وہاں کھینچ لے جاتی ہے۔''

مفتی اعظم ہند بائسی پہلی بار ۱۹۶۲ء میں تشریف لے گئے، پھر بار بار تشریف لائے، ۶۲ء میں بائسی سے جتا ہاٹ تک جو اُن کا استقبال ہوا، محبت، اخلاص، ایثار، اعزاز کا جو والہانہ انداز تھا، حضور مفتی اعظم ہند نے اسے دیکھ کر فرمایا تھا: یہ پر جوش خیر مقدم، یہ والہانہ اعزاز و استقبال اور یہ محبت و خلوص کی وارفتگی مجھے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھنے کو ملی ہے۔ پھر مفتی اعظم ہند نے دامن پسار کر بائسی والوں کے لیے دعا کی تھی۔ واضح ہو کہ جتا ہاٹ کا یہ تاریخی اجلاس امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفۂ حضور مفتی اعظم اور حضرت مولانا عبدالعزیز رضوی آبجوی کی بریلی سے دستار فضیلت کی خوشی میں منعقد کیا گیا تھا، علاقہ کے تمام علما، خصوصاً حضرت ابوصالح مولانا شاہ غلام یٰسین رشیدی کارگزار سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور شریف رئیس کارواں تھے، اور سارے بائسی و اطراف کے امرا، رؤسا، زمیندار، پتی دار چشم براہ تھے۔ یہی وہ بائسی اور اس کی ذیلی بستیاں ہیں، جن میں صدر العلما کو مفتی اعظم ہند کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی تھیں۔

حضرت محدث بریلوی کو میں نے دو تین بار دیکھا ہے، پہلی بار تو تب، جب ناپختہ شعور تھا، دوسری بار تب جب میں ایم۔اے کر رہا تھا۔ ہوا یہ کہ عرس رضوی میں بریلی حاضر ہوا، ۲۴ رصفر کی شام تھی، جامعہ نوریہ کا جلسہ ہو رہا تھا، امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کی معیت میں وہاں پہنچا، مغرب کی نماز ہو چکی تھی، لوگ منتشر ہو چکے تھے، صدر العلما جامعہ کی عقبی طرف کرسی پر جلوہ فرما تھے، داہنا پاؤں، بائیں پاؤں پر تھا، بایاں ہاتھ گود میں اور داہنے ہاتھ کی کہنی دست

راست پر اور داہنی ہتھیلی سے ٹھوڑی کو ٹیک لگائے، سمت راست ہی ذرا ڈھلک کر تشریف فرما تھے، چہرہ جھکا ہوا تھا، معمولی سی ٹوپی، معمولی سا کلی دار کرتا، کھلتا پائجامہ، میں نے سلام کیا، دست بوسی کی، چوں کہ وہ کرسی پر تھے، قدم بوسی کا موقع بھی بآسانی ملا۔ نام پوچھا، بتایا، دریافت فرمایا: ''کیا کرتے ہو'' ؟ عرض کیا، ''پڑھتا ہوں'' ۔ چوں کہ یونیورسٹی پہنچ کر بھی میری وضع قطع نہیں بدلی تھی، فرمایا: ''کیا منظر میں؟'' عرض کیا: ''نہیں، اشرفیہ مبارکپور سے فراغت ہو چکی ہے، اس وقت ایم۔اے کر رہا ہوں'' ، مسکراتے ہوئے لب کشا ہوئے: ''اچھا، تم تو ہونہار معلوم ہوتے ہو، ایم۔اے کر کے کیا کرو گے؟'' عرض کیا: ''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر پی۔ایچ۔ڈی کروں گا'' ۔ پہلو بدلے، کہا: ''کیا ہی نیک ارادہ ہے، خدا تمہیں علم نافع اور خیر کثیر سے نوازے'' ، دعا کی درخواست کی، میرا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں لے لیا، دعا فرمائی، دم کیا، شفقت کا ہاتھ سر سے سینہ تک پھیرا، میں سلام و دست بوسی کر کے رخصت ہوا، پھر عرس کی گہما گہمی میں کھو گیا۔

یہ تھی میری ان سے ملاقات اور مختصر بات چیت، میں نے اس وقت جو ایمانی حلاوت، بزرگانہ شفقت، عرفانی لذت، ایقانی برودت محسوس کی تھی، وہ آج بھی محسوس کرتا ہوں، ان کے جملے ''خدا تمہیں علم نافع عطا کرے اور خیر کثیر سے نوازے'' کی برکات کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

تیسری ملاقات یوں ہوئی، جب میں تحقیق کے جاں گسل مراحل سے گزر رہا تھا، بعد مغرب کا وقت تھا، در دولت پہ حاضر ہوا، سلام و آداب بجا لایا، پوچھا: ''کہاں سے آئے ہیں؟'' عرض کیا: ''کیرالا سے آیا ہوں'' ، پوچھا: ''آپ کیرالا کے ہیں؟'' بتایا: ''نہیں، وہاں مرکز الثقافۃ السنیہ کے شعبۂ حنفی میں صدر مدرس ہوں، رہنے والا بائسی پورنیہ کا ہوں۔'' بائسی پورنیہ سن کر بہت خوش ہوئے، چہک کر فرمایا: بستی کا نام کیا ہے؟ عرض کیا: ہری پور، فرمایا: یہ بستی میری دیکھی ہوئی ہے، کئی بار گیا ہوں۔ پوچھا: مفتی محمد ہاشم یوسفی صاحب جو دارالافتا منظر اسلام کے صدر مفتی رہے ہیں، آپ کے کون ہیں؟ عرض کیا: حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں۔ یہ سن کر حد درجہ مسرور ہوئے، حضرت مفتی صاحب کی بڑی تعریف کی، ذرا موقع ملا، تو میں نے گزارش کی، ''حضور! میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی مکتوب نگاری پر پی۔ایچ۔ڈی کر رہا ہوں، مجھے اعلیٰ حضرت کے خطوط و مکتوبات کی ضرورت ہے، آپ کے پاس ہوں، تو عنایت فرمائیں، معلومات میں ہوں، تو نشاندہی فرمائیں۔'' ارشاد فرمایا: ''ایسا کوئی مواد میری نظر میں نہیں، تاہم ابا حضور کے کچھ کاغذات ہیں، آپ دیکھ لیں۔'' کاغذات کا بستہ اٹھا لائے، خود بھی نظر ڈالی، مجھے بھی دیکھنے کا حکم دیا۔ خطوط تو نہ ملے، مگر کئی نوادرات نظروں سے گزرے۔ چائے، بسکٹ سے تواضع کی، میں نے دعا کی درخواست گزاری، فرمایا: ''آپ تو بانصیب ہیں، کیرالا رہ کر بھی یہ کام کرتے ہیں، بڑی بات ہے۔ خدا آپ کو ہر دو جہاں میں اعلیٰ کامیابیوں سے نوازے اور صحت و سلامتی سے رکھے۔'' سیدھا سادہ انداز، سیدھی سادی گفتگو، نہ تکلف، نہ تصنع، نہ پیچ پیچ، نہ ہیر پھیر، خاکی تھے، مگر ملکوتی صفات کے حامل، جانے کے لیے اٹھا، تو لگا میں کسی مربی سے مل کر جا رہا ہوں۔

اکہرا بدن تھا، قد و قامت بہت دراز تو نہیں تھا، مگر مائل بہ درازی ضرور تھا، ناک نقوش اتنے تیکھے تھے کہ نور چھن رہا ہو، کہکشاں رقص کر رہی ہو، نرم، ملائم، گداز آواز، پر سوز دھیمہ لہجہ، جھکی جھکی تیز عقابی آنکھیں، تواضع، سادگی و انکساری ایسی کہ یہ الفاظ انہی کے لیے وضع ہوئے ہوں، چلتے تو معلوم ہوتا، 'لا تمش فی الارض مرحا' کی تفسیری قبا ان کے قامت رعنا پر زیب تن کر دی گئی ہو، بالوں، کھالوں میں ایسی ملاحت، صباحت، لگتا تھا چاندی کے اوراق تہہ در تہہ جما دیے گئے ہوں، ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، سب دست قدرت کا تراشا ہوا، ایسی نوری صفات ہستی ہم سے ۲ / اگست ۲۰۰۷ء کو رخصت ہوگئی، خدا اپنے فضل و کرم کی بہاروں سے ان کے مرقد انور کو پر بہار رکھے۔

(۱۲ / مئی ۲۰۰۸ء)

حضرت مسعودِ ملت ۔۔۔ ایک مربی و مصلح

(چند قلمی ملاقاتوں کے تناظر میں)

پروفیسر محمد الیاس اعظمی *

یہ ۱۹۷۹ء کا سال تھا جب راقم نے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ ڈگری کالج قصور میں فرسٹ ائیر میں داخلہ لیا۔ گھر کا ماحول اگرچہ مذہبی تھا مگر خوش عقیدگی کا عنصر غائب تھا۔ کالج کی فضا میں گیا تو بعض طلباء تنظیموں نے تعلیمی ماحول کو مخصوص فکری رنگ میں بدل رکھا تھا جس سے تعلیمی ماحول انتہائی مکدر ہو چکا تھا۔ غلط فکری اور بداعتقادی کے ان فتنوں میں ایک فتنہ ''انکارِ حدیث'' کا بھی تھا۔ غرض یہ کہ کالج ایک درسگاہ کے بجائے مناظرہ بازی و مجادلہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ انہی دنوں میں راقم نے اکابر اہلِ علم و دانش کے علمی شہ پاروں سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے ''اہمیۃ الحدیث عند القرآن'' کے نام سے ایک مختصر کتابچہ مرتب کیا جس کو بعد ازاں مخلص اہلِ ثروت احباب کے مالی تعاون سے شائع کیا گیا۔ یہ راقم کی ایک طالب علم کی حیثیت سے پہلی قلمی کاوش تھی، جو ایک رسالہ کی صورت میں اہلِ علم اور عامۃ الناس کے ہاتھوں پہنچی۔ میری اس تحریر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ یوں اس کے ذریعہ لوگوں میں ابتداء تعارف بھی ہوا اور ذاتی طور پر حوصلہ بھی ملا۔

میرے اس دور کے مہربان دوستوں میں سے ایک مولانا صوفی صاحبزادہ سعید احمد نقشبندی مرحوم تھے جو ایک نیک، صالح مرد ہونے کے ساتھ ملنسار اور علم دوست شخص بھی تھے۔ وہ اکثر ملاقاتوں میں حضرت مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجددی قدس سرہ الھادی کا ذکر بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ بالخصوص کہا کرتے تھے کہ ''قبلہ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب تو عاشقِ اعلیٰ حضرت ہیں'' اس کے علاوہ حضرت مسعودِ ملت کے حسنِ استدلال اور منفرد اسلوبِ نگارش کے تو وہ بے حد مداح تھے۔ راقم کا یہ وہ غائبانہ علمی و روحانی تعارف تھا جو حضرت مسعودِ ملت سے محبت اور لگاؤ کا باعث بنا۔ چنانچہ جب میرا رسالہ ''اھمیۃ الحدیث عند القرآن'' طباعتی مراحل سے گزر کر منظرِ عام پر آیا تو میری دلی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ میں اپنی اس طالبعلمانہ کوشش کو اپنے وقت کے عظیم محقق کی خدمت میں بطور ہدیہ و نذرانہ پیش کر کے ان سے مزید راہنمائی حاصل کروں۔ لہٰذا میں نے کوشش بسیار کر کے حضرت مسعودِ ملت کا پتہ حاصل کر کے رسالے کی غالباً دو یا اس سے زائد کاپیاں بذریعہ ڈاک آپ کے نام ارسال کر دیں، اس دور میں آپ گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ، سندھ میں بطور پرنسپل خدمات انجام دے رہے تھے۔ دو، تین ہفتے تک جب جواب نہ آیا تو دل میں ایک اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ طرح طرح کے خیالات اور وساوس راہ پانے لگے کہ وہ بڑے آدمی ہیں، ایک طالب علم کے خط کا کہاں جواب دیں گے اور یہ کہ ایسا معروف انسان کب کسی کتابچہ کو دیکھے گا اور کیونکر ایک غیر شناسا طالبعلم کی حوصلہ افزائی کرے گا وغیرہ۔ ہر روز پوسٹ مین سے پوچھتا کہ میرا کوئی خط آیا ہے؟ ''نہیں'' اس کا جواب سن کر خاموش ہو جاتا۔ لیکن جیسے میں نے ان کا غائبانہ تعارف سنا تھا اس سے دل کو ایک تسلی تھی کہ جواب ان شاء اللہ ضرور آئے گا، ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی مصروفیت فوری جواب میں مانع ہو۔ یوں دن گزرتے گئے کہ ایک دن پوسٹ مین محمد حسین مرحوم نے کہا، 'لو الیاس! تمہارا

* منہاج یونیورسٹی، لاہور۔

خط آ گیا'، یہ کہتے ہوئے لفافہ میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔ میں نے جونہی لفافہ کو کھولا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ یہ تو اسی محبوب رہنما کا خط تھا جس کا کئی ہفتوں سے انتظار تھا۔ فوراً میرے اندر سے آواز آئی کہ تمہارے سارے خدشے غلط تھے۔ ایک حقیقی معلم و مربی کبھی کسی طلبِ صادق رکھنے والے طالبعلم کو محروم نہیں رکھا کرتا۔ خوشی و مسرت کے ان جذبات کو قلب ونگاہ میں سمیٹتے ہوئے جب حضرت کے مکتوب ملفوظات کو پڑھا تو مجھے اس قدر حوصلہ ملا اور خوشی ہوئی کہ جس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔

حضرت مسعودِ ملت نے ۲۶/اگست ۱۹۸۲ء کے تحریر کردہ اپنے گرامی نامہ میں راقم عاجز کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

''عزیزِ گرامی منزلت مسلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کتاب 'اھمیۃ الحدیث عند القرآن' موصول ہوئی۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ نے جس مخلصانہ جذبے سے یہ کتاب لکھی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ قبول فرما کر اس اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ نے اس کتاب میں بہت آیات پیش کردی ہیں جو ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ جزاکم اللہ۔''

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت ڈاکٹر مسعود احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی حوصلہ افزائی اور خوردہ نوازی نے ہی قلم و قرطاس کے رشتہ کو مضبوط کرنے اور آگے قدم بڑھانے کے لیے میرے اندر حوصلہ پیدا کیا۔

ثبوتِ قرآن کی دلیل حدیث نبوی ہے:

اسی مکتوب گرامی میں ایک معلم کی حیثیت سے محبت واہمیت حدیث کو واضح کرتے ہوئے آپ نے اپنے قلمِ فیض رقم سے لکھا:

''فی الحقیقت اگر حدیث سے قطع نظر کرلیا جائے تو خود قرآن کے ثبوت کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں رہتی اور اس کی تاریخیت مجروح ہوتی ہے۔ منکرینِ حدیث اتنا نہیں سمجھتے کہ جب وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں تو گویا خود قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ہی ہے جس نے قرآن کا قرآن کی حیثیت سے تعارف کرایا ہے۔''

جس ذات کو ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے ہم اس کے کلام کو اس کی ذات سے الگ نہیں کرسکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم آپ پر تو ایمان لائے ہیں مگر آپ کے کلام پر ایمان نہیں لاتے۔ جب کسی ایسی ذات پر ایمان لایا جاتا ہے جو ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہو تو خود بخود اس کے اعمال واقوال پر بھی ایمان لانا متصور ہوگا۔ ورنہ ایمان لانے کا کوئی مفہوم ہی نہیں۔'' (مکتوب مذکور)

دین کی طرف حکمت و دانائی سے بلاؤ:

راقم نے اپنے رسالہ 'اھمیۃ الحدیث عند القرآن'' میں منکرینِ حدیث اور بعض دیگر اہلِ بدعت و بدعقیدہ لوگوں سے متعلق ذرا سخت الفاظ استعمال کئے تھے۔ حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ نے ایک مربی و مصلح کی حیثیت سے راقم کی اس کوتاہی کی اصلاح کرتے ہوئے بطور تربیت لکھا:

''آپ نے اپنی کتاب کے مقدمے میں مخالفین کے لیے سخت جملے استعمال کئے ہیں۔ اس سے اصلاح کا راستہ بند ہوجاتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ کی طرف حکمت و دانائی اور ترغیب وتشویق سے بلاؤ۔ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردیں۔''

(مکتوب بنام راقم، مرقومہ ۲۶/اگست ۱۹۸۲ء)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ راقم کا گھریلو ماحول اگرچہ مذہبی تھا مگر خوش عقیدگی کا فقدان تھا۔ اس لیے بالعموم علمائے اہلسنّت کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کیا جاتا تھا اور بالخصوص اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے حوالے سے تو ایک روز اپنے ایک ہم

جماعت دوست سے سنا کہ وہ تو نعوذ باللہ! قبر پرست اور بدعت کے علمبردار تھے۔ یوں یہ اہانت آمیز کلمات سننے کی دیر ہی تھی کہ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ میں مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی کتابوں کو پڑھ کر حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کروں گا تاکہ حق واضح ہوسکے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ اور دیگر علماء کی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کردیا۔ یوں الحمدللہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شعوری طور پر اس حقیقت کو جان لیا کہ عالمِ اسلام کی جس عظیم المرتبت ہستی کو قبر پرست اور بدعتی وبدعت کا علمبردار کہا جاتا ہے۔ وہ تو اپنے دور کا سب سے بڑا موحد، توحید پرست اور متبع سنت عالم تھا۔ چنانچہ میں نے تلاشِ حقیقت کے اس سفر میں ہر قسم کے گرد وغبار سے صاف حق کو چمکتے ہوئے پایا تو میں نے حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے اقوال پر مشتمل ایک دوسرا رسالہ ''ارشاداتِ رضا'' کے نام سے مرتب کیا جس میں بالخصوص مسائل مختلف فیہ کے حوالے سے امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے عقیدہ وفکر کو بغیر تبصرہ وتشریح کے صرف اقتباس مع مکمل حوالہ درج کیا گیا تھا۔

''ارشاداتِ رضا'' کی ترتیب وتسوید کے بعد میں نے حضرت مسعودِ ملت کی خدمت میں ایک عریضہ کی صورت میں اس رسالہ پر مقدمہ یا پیش لفظ لکھنے کی درخواست کی تو اس مرتبہ بھی کمال ذرہ نوازی فرماتے ہوئے پیش لفظ لکھنے کا وعدہ کرتے ہوئے اس عاجز کو لکھا:

''آپ کی حق پسندی باعثِ مسرت ہے، عدیم الفرصت رہتا ہوں۔ اپنی تالیفِ لطیف بھیج دیں، جب فرصت ملی پیش لفظ لکھ کر بھیج دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ ہر ارشاد کا مفصل حوالہ ضروری ہے۔

اپنے اسلاف میں سے چند مشاہیر کے نام لکھ دیں تاکہ پیش لفظ میں شامل کردوں اور اپنا مختصر تعارف بھی لکھ دیں۔ آپ کی حق پسندی دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ہوگی۔ ان شاء اللہ۔''

اہلِ علم کو تعصب زیب نہیں دیتا:

اپنے ایک 'اعظمی' دوست کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ایک ہمارے اعظمی دوست ہیں، وہ امام احمد رضا کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے حالانکہ امام احمد رضا کی کوئی تصنیف انہوں نے مطالعہ نہیں کی۔ بغیر مطالعہ کئے یہ نفرت وتعصب اہلِ علم کو زیب نہیں دیتا۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ مطالعہ کرکے اپنا دل صاف کرلیا۔ زیادہ کیا تحریر کروں، مولیٰ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔''

(مکتوب بنام راقم، محررہ ۱۲ر فروری ۱۹۸۴ء)

تاریخی تحقیق کے لیے راہنمائی:

ایک دفعہ ابو الحسن علی ندوی میاں کی لکھی ہوئی ''عبد القادر رائے پوری'' کی سوانح عمری پڑھتے ہوئے معلوم ہوا کہ وہ تحصیلِ علم کے سلسلہ میں بریلی شریف بھی گئے اور کچھ دن تک حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ ابن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شریکِ درس بھی رہے۔ مگر مذہبی تنگ نظری اور تعصب کا ماحول پسند نہ آیا تو دل وہاں سے اُچاٹ ہوگیا اور آخر رائے پوری صاحب نے مدرسہ بریلی کو چھوڑ دیا۔ راقم نے جب ندوی میاں کی تحریر اور بے سند روایت کو پڑھا تو میرے ضمیر نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا۔ میں نے اسی وقت قلم اور کاغذ پکڑا اور اس روایت کی تحقیق کے لیے مرکز دائرۂ تحقیقاتِ رضویہ حضرت مسعودِ ملت کے درِ تحقیق پر دستک دی۔ عریضہ لکھا، چند دن کے بعد جواب موصول ہوا تو وقت کے اس محقق امام احمد رضا خان کے جواب کو پڑھ کر ان کے نقوشِ سیرت کا تاثر اور گہرا ہوگیا کہ انہوں نے ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کا مصداق بننے کے بجائے جو معلوم نہ تھا، صاف لکھ دیا کہ یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ حضرت مسعودِ ملت کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''یہ روایت احقر کے علم میں نہیں۔ مصروفیت بہت ہے اس لیے سرِ دست تبصرہ لکھنا ممکن نہیں۔ آپ بریلی شریف خط لکھ کر اس روایت کے بارے میں خود معلوم کرلیں۔''

(مکتوب بنام راقم محررہ ۱۸ر فروری ۲۰۰۱ء)

مطالعۂ احمدیت اور دعوتِ انصاف:

قادیانی مکر وفریب اور تلبیسات کی نقاب کشائی کرنے والی راقم کی کتاب ''مطالعۂ احمدیت اور دعوتِ انصاف'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اور ایک طالب علم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اپنے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا:

''آپ کی فاضلانہ اور محققانہ تصنیف ''مطالعۂ احمدیت اور دعوتِ انصاف'' نظر نواز ہوئی۔ عنایت و کرم کا ممنون ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ استفادہ کروں گا۔''

(مکتوب بنام راقم محررہ ۱۰ر جنوری ۲۰۰۷ء)

جہانِ امام ربانی کا تحفہ:

راقم نے اپنے ایک عریضہ میں ازراہِ تفنن لکھا کہ کیا یہ غریب طالب علم ''جہانِ امام ربانی'' کے علمی و روحانی اور تاریخی و تحقیقی گلشن کی سیر سے محروم ہی رہے گا یا اسے اس چمنستانِ مجددیہ کی سیر کا موقع بھی ملے گا؟ اس پر حضرت مسعودِ ملت کا محبت نامہ بلکہ شفقت نامہ چند ہی دنوں بعد موصول ہوا اور آپ نے کمال علم نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے ''جہانِ امام ربانی'' کا مکمل سیٹ عطا کرنے کی خوشخبری دی۔ آپ نے لکھا:

''جہانِ امام ربانی (مکمل ۱۲ جلدیں) مارچ میں شائع ہوں گی۔ اپریل میں یاد دہانی فرمادیں یا کراچی میں کسی سے کہہ دیں کہ فقیر سے مل لے تو ہدیۂ پیش کردی جائیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

(مکتوب بنام راقم محررہ ۲۳ر جنوری ۲۰۰۷ء)

تفسیر مظہر القرآن کا تحفہ:

ابھی چند روز پہلے ''جہانِ امام ربانی'' کا نادرونایاب تحفہ نظر نواز ہوا تھا کہ علم وعرفان کی بارش برساتے ہوئے ''تفسیر مظہر القرآن'' کی صورت میں دوسرا تحفہ میرے ہاتھوں میں تھا۔ اس تحفۂ سبز کو دیکھ کر روحانی طور پر خوشی ومسرت کا ہونا تو ایک فطری بات تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ جو دوسرا احساس وتاثر تازہ ہی نہیں بلکہ مزید گہرا ہوا وہ حضرت مسعودِ ملت والدین کی علم پروری، خوردہ نوازی، فروغِ دین اور اشاعتِ حق کے مقدس جذبات کا تصور تھا کہ ایک ایسا مردِ درویش جس سے بالمشافہ کوئی ملاقات بھی نہیں ہوئی، محض قلمی و مراسلاتی رابطہ وتعلق تھا لیکن اس غائبانہ رابطے کو بھی انہوں نے جس اخلاص کے ساتھ علمی وتحقیقی تربیت و اصلاح کا ذریعہ بنا کر ایک طالبعلم کی سرپرستی کی۔ اس کو علمی راہنمائی فراہم کی، قدم قدم پر اس کا حوصلہ بڑھایا، علم وتحقیق کی بلند چوٹیوں پر فائز ہوتے ہوئے سطحِ زمین کی مانند ایک مبتدی کی راہنمائی کی۔ اس پر خراجِ تحسین پیش نہ کرنا بخل ہی نہیں احسان فراموشی بھی ہے۔ میرا ایقان یہ کہتا ہے کہ حضرت مسعودِ ملت قدس سرہٗ نے اپنے مخصوص طرزِ تربیت قلم وقرطاس سے نوجوان اہلِ قلم کی جو کھیپ تیار کردی ہے اور عقائدِ اہلسنّت پر جس متانت، سنجیدگی اور علمی وقار کے ساتھ آپ نے گلشنِ علم و ادب کو سیراب کیا ہے۔ اس گلشن کے مختلف پھولوں سے اٹھنے والی مہک کی عطر بیز خوشبو سے آپ تا صبحِ قیامت تابندہ و پائندہ رہیں گے اور آپ کے علمی وروحانی فیض کا چشمہ جاری رہے گا اور منزلِ عشق و راہِ علم و تحقیق کے راہی اس کے آبِ رواں سے سیراب ہوتے رہیں گے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

این دعا از من فقیر و جملہ جہاں آمین باد

مسعودِ ملت کی یادیں

مولانا حافظ محمد عطاالرحمٰن قادری رضوی

محققِ زماں، فاضلِ دوراں، حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد احقر کے خاص مہمانوں میں سے تھے۔ جب ان کی یاد آتی ہے تو دل سے بے اختیار ایک آہ نکلتی ہے۔ بڑے ہی شفیق، کریم، بے لوث، بے غرض، بے ریا اور مخلص بزرگ تھے۔ ان کی خوش خلقی ہی کی برکت ہے کہ آج اپنے، بیگانے، دوست دشمن، سبھی ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ احقر راقم الحروف کا دل ان کی یادوں سے آباد ہے۔ یہاں حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب کے حکم پر چند یادیں سپردِ قلم کرتا ہوں۔

سادگی:

حضرت مسعودِ ملت کی یادوں کا جو پہلا نقش احقر کے ذہن پر مرتسم ہوا وہ سادگی کے حوالہ سے ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب لاہور میں اپنے ایک مرید کے یہاں تشریف لائے تھے۔ احقر کو ان کے ورودِ مسعود کی اطلاع ملی تو فوراً حاضرِ خدمت ہوا۔ حاضری سے قبل احقر کے ذہن میں جو ان کی تصویر تھی وہ کچھ یوں تھی کہ وہ بہت بڑے مصنف اور محقق ہیں، مختلف کالجز کے پرنسپل رہے ہیں، ایڈیشنل سیکریٹری تعلیم کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں، پروفیسر ڈاکٹر ہیں، لہٰذا کوئی ماڈرن قسم کی سوٹڈ بوٹڈ شخصیت ہوں گے جو اپنے رعبِ علم کی وجہ سے کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتے ہوں گے۔ لیکن جب زیارت ہوئی تو نقشہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ سفید کرتا شلوار میں ملبوس، سیاہ جناح کیپ سر پر لیے ہوئے سادگی و عاجزی کا مرقع نظر آئے۔ چہرے پر مٹھی بھر داڑھی مبارک عجب بہار دکھا رہی تھی۔ ہر ایک سے مسکرا مسکرا کر گفتگو کر رہے تھے۔ باتوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی کچھ ظرافت اور علمیت کا حسین امتزاج آپ کی شخصیت میں نظر آتا تھا۔

حسنِ اخلاق:

حضرت مسعودِ ملت حسنِ اخلاق کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے۔ یہاں تک کہ اختلاف کرنے والوں سے بھی قطع تعلق نہ کرتے تھے بلکہ ان کے حق میں دعا گو رہتے تھے۔ متانت، ذہانت، مروت، پاکیزہ طینت اور دین کی بے لوث خدمت کی اعلیٰ تصویر تھے۔ مہمان نواز تھے۔ چونکہ کتاب دوست تھے، مصنف و محقق تھے اس لیے مہمانوں کی جھولی کتابوں سے بھر دیتے تھے۔ سخی تھے، غریب پرور تھے، ہمدرد تھے۔ دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھتے تھے، رقیق القلب تھے۔ غرضیکہ بزرگانِ دین کے اخلاقِ عالیہ کا حسین پرتو تھے۔

آپ ہیں خلق و مروت میں فقط اپنی مثال
مستیِ صہبائے الفت حضرتِ مسعود ہیں

عاجزی و انکساری:

حضرت مسعودِ ملت بیک وقت شیخ طریقت، ادیب، ناقد، دانشور، عالمِ دین، مصنف و محقق، مدرس، منتظم اور مبلغ تھے۔ اتنے اوصاف کی یکجائی کے باوجود آپ میں غرور و تکبر نام کو بھی نہ تھا۔ احقر کے نام ان کے کئی خطوط یادگار ہیں۔ ہر خط میں انہوں نے مجھے ''برادرم'' کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ وہ

''عزیزم'' بھی لکھتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ یونہی تقریباً ہر خط میں یہ بھی لکھا ہوتا کہ ''دعاؤں میں یاد رکھیں۔'' خودنمائی سے آپ کوسوں دور تھے۔ یہاں تک کہ محافل میں بھی اسٹیج کی بجائے سامعین میں تشریف رکھتے تھے۔

فقر و استغناء:

آپ میں حرص اور دنیا طلبی قطعاً نہ تھی۔ آپ نے تصنیف و تالیف کو بھی پیسہ بنانے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ رائلٹی کے نام پر پبلشر سے کبھی معاوضہ وصول نہ کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ کی کتب کم ہدیے پر قارئین تک پہنچنا ممکن ہوئیں۔ ذاتی طور پر مجھے اس کا تجربہ اس وقت ہوا جب آپ کی کتاب "Neglected Genius of the East" کی اجازت طلب کی۔ آپ نے نہ صرف تحریری طور پر اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ بے حد خوشی کا اظہار فرمایا جس سے میرا اور میرے ساتھیوں کا حوصلہ بلند ہوا۔ یونہی ایک دفعہ چند امور میں آپ سے راہنمائی بذریعہ خط طلب کی اور ساتھ ہی چند ڈاک ٹکٹ جوابی لفافے پر لگانے کے لیے بھی رکھ دیے۔ میری حیرانگی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب آپ کا جواب تشریف لایا اور ساتھ ہی اس میں میرے ارسال کردہ ڈاک ٹکٹ بھی واپس بھیج دیے۔ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ آپ پوری دنیا سے آئے ہوئے خطوط کا جواب دینا نہایت ضروری اور لازمی سمجھتے تھے۔ روزانہ کے اوقات میں خطوط کے جوابات لکھنے کے لیے وقت مختص تھا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ نے مکتوبات کو دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور پوری دنیا میں مسلکِ اہلِ سنت کا ڈنکا بجایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ پر تحقیق کرنے والوں کی رہنمائی کے لیے جو خطوط آپ نے تحریر فرمائے وہ ایک ضخیم کتاب کی صورت میں ''مکتوباتِ مسعودی'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں پر بارِ دگر یہ عرض کردوں کہ راہنمائی کے اس کام میں کبھی ڈاک ٹکٹ طلب نہ کیے گئے بلکہ فی سبیل اللہ یہ اہم کام انجام دیا۔

''بئس الفقیر علی باب الامیر'' کے تحت آپ امیروں کے دروازے پر تشریف نہ لے گئے۔ حکام بالا سے صرف بوقتِ ضرورت ملے۔ یہاں تک کہ آپ کی علمی و دینی خدمات پر اعتراف کے طور پر حکومت نے جب آپ کو اعزازات دیے تو آپ وصول کرنے نہ گئے بلکہ اپنے صاحبزادے مسرور میاں یا دوسرے احباب کو وصول کرنے کا حکم دیا۔

پابندیٔ شریعت:

آپ خود بھی شریعت کے پابند تھے اور متعلقین و مریدین کو بھی پابندیٔ شریعت کا درس دیتے تھے۔ کالج میں بھی باجماعت نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔ دو کالجوں میں تو آپ نے اپنی نگرانی میں مساجد تعمیر کروائیں۔ یہ تبلیغِ دین اتنے احسن انداز میں اور اتنے محبت بھرے لہجے میں ہوتی تھی کہ مسلم تو مسلم، غیر مسلم طلبہ و اساتذہ بھی اسلام کے قریب آگئے۔

حضرتِ مسعودِ ملت افتخارِ سنیت
پیکرِ حسنِ عمل سرمایۂ روحانیت
آپ کی تلقین ہے اِک جادۂ منزل نشاں
آپ کی تبلیغ ہے اِک دفترِ حُسنِ بیاں

جوانوں سے محبت:

آپ نئی نسل کو معمارِ ملک و ملت سمجھتے ہوئے اس پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ آپ کی محفل میں نوجوانوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ آپ ان پر خاص توجہ دیتے تھے جس کے نتیجے میں سینکڑوں

نوجوان غازی پرہیزگار اور سنتوں کے پابند بن گئے۔ آپ کے محبت بھرے اندازِ تبلیغ کو اگر دیکھنا ہو تو آپ کی کتاب ''محبت کی نشانی'' کا مطالعہ کیا جائے۔ داڑھی کی اہمیت پر اتنے احسن انداز اور اتنے پیار بھرے لہجے میں گفتگو فرمائی ہے کہ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ہر آدمی اپنے چہرے پر سنتِ رسول ﷺ سجانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ یونہی عقائدِ اہلِ سنت پر آپ نے آسان، عام فہم مگر مدلل انداز میں کتابچے تحریر فرمائے جو بالخصوص نوجوانوں میں مقبول ہوئے۔ جب راقم الحروف ایف۔ سی کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھا تو وہاں ایک طالب علم مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف بہت بولتا تھا۔ اسے مسعودِ ملت کی کتاب ''نئی نئی باتیں'' دی گئی تو وہ نہ صرف مسلکِ اہلِ سنت کی حقانیت مان گیا بلکہ اس کا مبلغ بھی بن گیا۔

مظہرِ شانِ مجسم ہو تو مسعود ہے وہ
للہ الحمد کے دارین میں محمود ہے وہ
فتنۂ نجد کو ملتی ہی نہیں راہِ فرار
عالمِ خوف میں کہتا ہے کہ ''موجود ہیں وہ''

یقیناً حضرت مسعودِ ملت اپنی کتب کی صورت میں اور اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں حسین یادوں کی شکل میں زندہ و موجود ہیں۔

حسنِ جمالیات:

مسعودِ ملت نفیس اور نفاست پسند تھے۔ ان کی تمام کتب معنوی کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن سے بھی مالا مال ہیں۔ یہ بات ان کی اعلیٰ درجے کی حسِ جمالیات (Aesthetic sense) پر دلالت کرتی ہے۔ بالخصوص کتابوں کے سرورق اعلیٰ درجے کے خطاط سے کتابت کرواتے تھے۔ ان کی کتاب ''جانِ جاناں'' اور ''انتخابِ حدائقِ بخشش'' کے ٹائٹل بطورِ مثال ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کتب خانے میں ہزاروں کتابوں کے ساتھ ساتھ ماہر کاتبوں کی لکھی ہوئی وصلیاں بھی محفوظ کی ہوئی تھیں۔

ماہرِ رضویات:

یوں تو حضرت مسعودِ ملت نے اپنی سو سے زائد کتب میں مذہبی علوم وفنون، اخلاقیات، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات، تاریخ، شعر و ادب پر لکھا لیکن رضویات پر ان کی تحریریں ان کی پہچان بن گئیں اور پوری دنیا میں وہ ''ماہرِ رضویات'' کی حیثیت سے بجا طور پر متعارف ہوئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس لقب کا انہوں نے حق ادا کردیا اور امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات کے موضوع پر تیس سال مسلسل لکھا۔ آئندہ جو بھی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات پر کچھ لکھے گا تو اسے مسعودِ ملت کی کتب سے رہنمائی لینا پڑے گی۔

حضرت مولانا ابدر القادری نے خوب کہا:

جب بھی تاریخِ رضا لکھنے کو اٹھے گا کوئی
راہ دکھلائے گا ہر اک کو نشانِ مسعود

حیرت کی بات تو یہ ہے امام احمد رضا پر اتنا کام کرنے کے باوجود وہ مزید کام کی اشد ضرورت محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی میں لکھتے ہیں: ''گزشتہ دس برسوں میں راقم نے مولانا بریلوی پر کچھ کام کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز ساحلِ سمندر تک بھی رسائی حاصل نہ ہوسکی۔ مطالعہ کے ساتھ ساتھ مولانا بریلوی کی شخصیت تابناک ہوتی جاتی ہے اور حیرت بڑھتی جاتی ہے۔''

یونہی اکرامِ امام احمد رضا کے حرفِ آغاز میں لکھتے ہیں:

''ذاتی مطالعہ سے راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جب تک

ایسا سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ قائم نہیں ہو جاتا جہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین جمع ہو کر امام احمد رضا پر کام کریں، کوئی جامع تحقیق ممکن نہیں۔ ویسے جزوی طور پر پاک وہند اور بیرونِ ہند میں کام ہو رہا ہے مگر انفرادی کوشش سے اجتماعی کوشش بدرجہا بہتر ہے۔''

مسعودِ ملت نے امام احمد رضا علیہا الرحمۃ کی شخصیت پر جامع تحقیق کے لیے ایک خاکہ بعنوان ''دائرہ معارفِ رضا'' ترتیب دیا تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا اب اس خاکے پر کام کرے۔ اور پندرہ جلدوں میں ''جہانِ امام احمد رضا'' جلد از جلد منصۂ شہود پر لائے۔ ظاہر ہے اتنے بڑے منصوبے پر اخراجات تو لاکھوں میں ہوں گے۔ اس لیے مخیّر حضرات کا فرض ہے کہ اس کام میں اراکینِ ادارہ کا ہاتھ بٹائیں۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی جامع سوانح کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' میں مسعودِ ملت رقمطراز ہیں:

''ضرورت ہے کہ ایک سچی، صحیح، مستند، محقق، مدلل سوانح جدید سوانحی اور تحقیقی اصولوں کے تحت لکھی جائے اور آپ کے علمی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ منظرِ عام پر لایا جائے۔ اب تک جو سوانح سامنے آچکی ہیں وہ ناکافی ہیں اور جدید سوانحی معیار کے مطابق نہیں۔''

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ امام احمد رضا جیسی جلیل الشان شخصیت کو پردہ فرمائے ہوئے تقریباً نوے برس ہونے کو ہیں لیکن ابھی تک ان کے شایانِ شان ایک سوانح بھی تحریر نہیں کی جاسکی ہے۔ سنا جاتا ہے کہ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک سوانح لکھی ہے۔ اس خبر کو دو سال ہو رہے ہیں لیکن ابھی تک کسی پیش رفت کی کوئی اطلاع نہیں۔ ادارے کے زیرِ اہتمام امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۶ء میں راقم الحروف نے بنیادی ماخذ پر مشتمل ''جامع سوانحِ امام احمد رضا'' کی تجویز پیش کی تھی۔ احقر کے مقالے کے معاً بعد محترم ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے اگلی کانفرنس کے موقع پر جامع سوانح کو منظرِ عام پر لانے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن نہ معلوم جامع سوانح کی اشاعت میں کیا رکاوٹ ہے کہ اعلان کے بعد دو کانفرنسیں ہو چکیں لیکن تا حال ابھی تک جامع سوانحِ حیات شائع نہ ہوسکی۔

تمام احباب سے ان سطور کے ذریعے دعا کی التجا ہے کہ مسعودِ ملت کا مجوزہ دائرۃ المعارف اور جامع سوانح جلد از جلد شائع ہوجائے۔ حضرتِ مسعودِ ملت نے معارفِ رضویات کے جس گلشن میں پھول کھلائے تھے، اس کی بہار نہ صرف قائم رہنی چاہئے بلکہ اس میں مزید اضافہ ہونا چاہئے۔ آخر میں دعا گو ہوں کہ مولائے کریم حضرت مسعودِ ملت کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقوشِ قدم پر چلتے ہوئے رضویات کے فروغ کے لیے خوب محنت کی توفیق عنایت فرمائے! آمین۔

حضرت مسعود ملت کا سانحۂ ارتحال

از: صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری*

اس خاک دانِ ہستی میں جو آیا، جانے کے لئے آیا "لِـدُوْ لِلْـمَوْاتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ"......خلاق عالم نے ہر متنفس کے لیے وقت مقررہ پر دنیا سے جانا مقدر فرما دیا ہے۔ کُـلُّ شَیْءٍ هَـالِکٌ اِلَّا وَجْهَـه کے فرمان ذی شان کے آگے طوعاً وکرہاً سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ بعض لوگوں کی رحلت پر ایک کنبہ، قبیلہ، بستی یا شہر کے لوگ غمگین ہوتے ہیں مگر کچھ ایسے باکمال افراد بھی ہیں کہ جن کے داغ مفارقت دے جانے سے روحیں تڑپ اٹھتی ہیں اور ملت کی پوری عمارت متزلزل دکھائی دیتی ہے۔ ایسے ہی نابغۂ روزگار افراد میں مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا وجود مسعود بھی تھا:

ما کان قیس هلکه هلک واحد
لکنه بنیان قوم تهدما

موصوف انتہائی پرخلوص، عالی ہمت، صاحب علم وعمل اور پرعزم انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان گنت صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف حمیدہ سے متصف فرمایا تھا۔ وہ بیک وقت عالم دین، پروفیسر، دانش ور، مفکر، ادیب، مصنف، مصلح و مربی اور علمی و روحانی شخصیت تھے۔

وہ سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ ان کی ولادت جمادی الاخری ۱۳۴۹ھ/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو دہلی میں ہوئی۔ والد ماجد کی طرف سے نسباً صدیقی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سید، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی، اپنے عہد کے جید اساتذہ سے عربی و فارسی کی کتب پڑھیں۔ ۱۹۵۸ء میں سندھ یونی ورسٹی سے ایم اے میں نمایاں پوزیشن حاصل کر کے گولڈ میڈل لیا۔ تعلیمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے "اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر" کے عنوان سے مقالہ تحریر کر کے ۱۹۷۱ء میں حیدرآباد سندھ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے سندھ تشریف لائے، ۱۹۵۸ء میں بطور لیکچرر شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ وہ ایک مشفق اور مخلص استاذ تھے، بے پناہ انتظامی، علمی و ادبی خصوصیات کے حامل تھے، اس بنا پر انہیں اپنے شعبے کا صدر متعین کر دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۹۲ء تک چھ مختلف کالجز کے پرنسپل رہے اور ریٹائرمنٹ سے چند سال پہلے ایڈیشنل سیکریٹری تعلیم صوبہ سندھ کے طور پر نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

حضرت مسعود ملت ۱۹۵۶ء میں اپنے والد گرامی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، حضرت شاہ محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ مصنف رسالہ رکن دین کے جانشین حضرت مفتی محمد محمود الوری کی نگرانی میں روحانی منازل طے کر کے ان سے خرقۂ خلافت لیا۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت زین العابدین شاہ نورائی شریف سندھ سے اجازت حاصل تھی۔

ڈاکٹر صاحب ایک بلند پایہ مصنف اور ادیب تھے، انہوں نے قرآن، حدیث، فقہ، سوانح، سیرت، اخلاقیات، شخصیات، اقبالیات، نفسیات، تاثرات، فلسفہ، ادب اور تصوف وغیرہ

---

* مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور شریف

موضوعات پر ۵۰۰ سے زیادہ مقالہ جات تحریر فرمائے۔ تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہے، متعدد تصانیف کا دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی شخصیت پر جدید اسلوب و قیع نگارشات اور تحقیقی خدمات سرانجام دینے پر انہیں ''ماہر رضویات'' کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر سنی انہیں محترم رکھتا ہے۔

ان کی زندگی کتاب وقلم سے اور علم وعمل سے عبارت تھی، تحریر میں ان کا اپنا اسلوب تھا، وہ اعتماد اور یقین سے لکھتے اور کہتے تھے۔ قریباً تین دہائیاں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت پر کام کرنے کے بعد انہوں نے ''جہان امام ربانی'' کے عنوان سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے حوالے سے متفرق تحریروں کو جمع کیا اور پندرہ ضخیم جلدیں شائع کیں۔

ڈاکٹر صاحب سے کم وبیش بتیس سال رابطہ رہا۔ پاکستان اور مدینہ منورہ میں کئی بار ملاقات ہوئی، گاہے گاہے خط وکتابت کا سلسلہ بھی رہا۔ احقر کے نام ان کا آخری گرامی نامہ وصال سے صرف پندرہ روز پہلے ۶ ربیع الآخر کا تحریر کردہ موصول ہوا۔

وہ اچھی تحریروں کی حوصلہ افزائی کرتے، سرِ خلیل سلسلہ نقشبندیہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے احقر کی ایک تحریر کو اجازت لے کر جہان امام ربانی میں شامل فرمایا۔

۲۱ ربیع الآخر/ ۲۸ اپریل، پیر بعد مغرب ۷۸ برس کی عمر میں لیاقت میڈیکل ہسپتال کراچی میں علم وادب کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتے ہوئے اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آپ کے اکلوتے صاحبزادے محترم ابو السرور مسرور احمد زید مجدہ کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور اہل خانہ، مریدین، متوسلین اور جملہ معتقدین ومحبین کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ اجمعین

تین علماء کی شہادت کا سانحہ:

گزشتہ دنوں یہ روح فرسا خبر اہل سنت و جماعت کے علمی حلقوں کو تڑپا گئی کہ ممتاز عالم دین اور پیر طریقت حضرت علامہ نور الحق قادری ایم این اے کے چھوٹے بھائی علامہ ہمایوں قادری، چچا علامہ عبد العظیم اور بھتیجے علامہ نور الدین شیخ الحدیث جامعہ جنیدیہ غفوریہ پشاور نامعلوم افراد کی طرف سے قاتلانہ حملے کے نتیجے میں شہید ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بلاشبہہ یہ بہت بڑا سانحہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے، جس میں ایک ہی خاندان کے تین جید عالم شہید ہوئے۔ حکومتِ وقت امن وامان کے قیام میں ناکام دکھائی دیتی ہے، اربابِ اقتدار کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سانحہ کی تحقیقات کریں اور مجرموں کا سراغ لگا کر انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں۔ ادارہ نور الحبیب کے کارکنان علامہ نور الحق قادری، آپ کے والد گرامی حضرت صاحب مبارک مدظلہ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان شہداء کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے بہرہ یاب فرمائے۔

آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ اجمعین

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

تحریر: حافظ حبیب سندھی

یہ بات واقعی میں انتہائی دکھ کی ہے کہ ایک عالم باعمل اور صالح و متقی انسان نے اچانک دنیا و جہاں کو الوداع کیا۔ اور یہ بھی بات خالی از حقیقت نہیں ہے کہ ایک عالم کی ناگہانی موت واقعی ایک جہاں کی موت کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ جہاں سے عالم کا اٹھ جانا حقیقت میں علم کے اٹھ جانے کی مانند ہے۔ بس زباں سے لامحالہ، انا للہ و انا الیہ راجعون نکل جاتا ہے۔

بذریعہ اخبارات پتہ چلا کہ حضرت قبلہ و کعبۂ عالم حضرت مسعود ملت کی روحِ پاکیزہ قفسِ عنصری سے نکل کر آشیانۂ اعلیٰ تک جنت آشیانی ہو چکی ہے اور انتقال و پرملال کا واقعہ دنیا جہاں کو مغموم کر گیا ہے۔ اس اندوہناک واقعہ کے رونما ہونے پر سچ پوچھئے تو پیروں تلے زمین سرکنے لگی اور نیلگوں آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہونے لگا۔ حالانکہ یہ بات بھی برحق ہے کہ ہر انسان و ہر روح کو ایک دن دنیا سے چلے جانا ہے اور اس فانی دنیا کو الوداع کہنا پڑے گا۔ اور اس خلاقِ کائنات کے حضور حاضر ہونا جو اس دورنگی دو گیتی کا مالک و خالق ہے۔ جہاں ہر ایک کے اعمالِ صالحہ و کاملہ کا محاسبہ ہونا ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ جو اللہ پاک کے صالحین میں سے ہیں ان صالحین کرام کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ خطرہ! کیونکہ قرآن کریم اس امر کی کھلے الفاظ میں تصدیق کرتا ہے: لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ایسے ہی اللہ رب العزت نے اپنے مقرب بندوں کے لئے ''لَا تَخَفْ'' و ''لَا تَحْزَنْ'' کے خطابات منتخب کئے ہیں۔ یہی ان کی دنیا میں ''اعمالِ صالحہ'' کا آخرت میں طرّہ امتیاز ہے۔ یہی ان کی محنتیں، مشقتیں اور عبادات و ریاضات ہیں، جن کی بدولت ان کے عمل قبولیت کے بام عروج تک پہنچ گئے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو مثالی ہیں۔ جو زندہ تھے تو بھی جنتی تھے اور وصال کے بعد بھی وہ مرقد میں زندہ و جاوید اور جنتی ہیں۔ زباں ان کی مدح سرائی سے گنگ و قاصر ہے اور دماغ سوچ کے خزانے سے کورا ہو جاتا ہے۔ یہی ان کی کرامات مبین ہیں۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ اور محبوب ترین بندے ہیں اور خدائے برتر و بالا کے محبوب کریم حضرت صاحب لولاک حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور پکے عاشق ہیں۔

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد سے تب ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں جب آپ ٹھٹھہ ڈگری کالج کے پرنسپل تھے۔ ٹھٹھہ میں حضرت مخدوم دوراں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک سیمینار میں قلمی نسخہ جات کی نمائش ہوئی تھی اس میں بھی ساتھ تھے۔ آپ کافی عرصہ مذکورہ بالا کالج میں رہے، ان کی باتیں ان کی یادیں آج دل پر پتھر کی لکیر کی طرح منقش ہیں۔ وہ کبھی نہ مٹنے والی یادوں کے ایسے نقوش چھوڑ گئے ہیں جن کو رہتی دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ نے ٹھٹھہ کالج کی جانب سے اپنی ایامِ کاری میں حضرت مخدومِ جہاں سندھ کے نعمانِ ثانی، مخدوم محمد ہاشم علیہ الرحمۃ والرضوان کی یاد میں ایک میگزین ''الہاشم'' کے نام سے نکالا جسے دیکھ کر آج بھی ان کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی پاکیزہ روح کو اور بھی اعلیٰ درجات و منازل عطا فرمائے۔ (آمین۔ بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ)

حضرت مسعودِ ملت عظیم البرکت کی علمی و ادبی اور روحانی خدمات کو سراہنا ان کی عظیم دینی خدمات پر چند حروف لکھنا بھی ہم جیسوں کی بساط نہیں۔ اور نہ ہی ہم جیسے کم علموں کا کام ہے۔ اس کے لئے علم و ہمت چاہئے اور ایسی شخصیت پر قلم رانی کرنے اور گل فشانی کرنے کے لئے دفتر چاہئیں۔ اس کے لئے علمِ کامل و علم مکمل کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے چلے جانے سے جو علمی و ادبی اور روحانی خلا پیدا ہوا ہے وہ صدیوں پر محیط ہے۔ کیونکہ بقول شاعر

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور اس حقیقتِ مصدقہ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہوگا!!

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ سے اس ناچیز مہمان کی ملاقاتیں ریٹائرمنٹ کے بعد تو کم ہوئیں البتہ خط و کتابت کافی رہی تھی اور آپ علیہ الرحمۃ از راہِ کرم ہمیں اپنی لائبریری کے لئے گاہے بگاہے کافی قابل قدر علمی کتب ارسال فرماتے رہے اور آپ کی اس الکاف و مہربانی کے صلہ میں سوچ رہے ہیں کہ لائبریری میں حضرت کے نام نامی اسمِ گرامی ایک کارنر قائم کریں۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی یاد میں ضرور کارنر قائم ہوگا۔

حضرت مسعود ملت عظیم العظمۃ علیہ الرحمۃ سے اس حقیر و ناچیز کی انسیت و محبت اور عقیدت، روحانیت کا کیا کہنا؟ بس بقول سرتاج الشعراء و سندھ کے الہامی و آفاقی شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ؛

ترجمہ: یعنی ''جب سے میرے محبوب سے میری شناخت ہوئی ہے۔ تب سے وہ میرے دل سے ایک تل جتنا بھی بھولا نہیں ہے۔ (بلکہ) وہ میری روح کے اندر بیٹھکیں بنا کر رہتا ہے۔''

حضرت مسعود ملت اپنی بے شمار دینی، روحانی اور علمی و ادبی خدمات کے آئینہ میں نہ صرف گوہر نایاب تھے بلکہ وہ بالحقیقت اور بلا مبالغہ ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی بقول مرحوم وجیہ اللہ روحی کے کہ:

نہیں مل سکتا اس جہاں میں تیری ہستی کا بدل
تمہیں تو اِک گوہر نایاب اس دنیا میں تھے

حضرت مسعودِ ملت کی عظیم شخصیت اپنے علمی و ادبی کارناموں کی آئینہ دار ہے وہ خود ہی اپنی دنیا میں ایک ادارہ تھے۔ ایک انجمن تھے۔ وہ اپنی بے لوث علمی خدمات میں، اپنی تصنیفات و تالیفات میں، اپنی تحاریر و تقاریر میں ہمارے درمیان تا حیات زندہ رہیں گے۔ وہ اپنے مریدوں کے مربّی تھے تو ہم جیسے احقر العباد انسانوں کے بھی مشفق و مہربان تھے۔ ان کی شفقتِ نگاہ ہم جیسے دور بیٹھے حقیر و ناچار و ناچیز انسانوں پر بھی تھی۔ بہرحال آپ اپنے اعمال و اخلاق و شفقت کے دائرہ کار میں

ہمیشہ زندہ ہیں۔ اس موقع پر اس ناچیز کو مشہور عالم علامہ قاضی ارّ جانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار یاد آرہے ہیں اور دل چاہتا ہے موقع ومحل کی مناسبت سے ایک عظیم عالم کا پیغام ایک عظیم عالم تک پہنچا دوں!

۱۔ ''وَتَحْسَبُهُ قَدْ عَاشَ آخِرَ عُمْرِهٖ
اِذَا كَانَ قَدْ اَبْقَى الْجَمِيْلَ مِنَ الذِّكْرِ

ترجمہ: اسی طرح یہی سمجھیں کہ وہ آدمی آخروقت تک زندہ رہتا ہے۔ اگر وہ اپنے بعد کوئی ذکر خیر چھوڑ جائے۔

۲۔ اِذَا عَلِمَ الْاِنْسَانُ اَخْبَارَ مَنْ مَعْنٰى
تَوَ هَّمْتَهُ قَدْ عَاشَ مِنْ اَوَّلَ الدَّهْرِ

ترجمہ: اگر انسان گزرے ہوئے انسانوں کی خبر جان جائے تو آپ یہ سمجھیں! کہ وہ (انسان) آغازِ زمانہ سے جی رہا ہے۔

۳۔ فَقَدْ عَاشَ كُلَّ الدَّهْرِ مَنْ كَانَ عَالِمًا
حَلِيْمًا، كَرِيْمًا فَاغْتَنِمْ اَطُوْلُ الْعُمَرِ

ترجمہ: ہمیشہ، ہمیشہ والی زندگی ان کو ملی جو عالم، حلیم اور شریف ہوگا۔ (یہ) اس لئے ہے کہ آپ بھی ایسی ہی زندگی کو غنیمت جانو! جو سب سے زیادہ طویل زندگی ہے۔''

اور یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس اور طلوع نصف النھار کی طرح ہے کہ یہی طویل زندگی جو انسان اپنے عمل کے ذریعے پاتا ہے تو وہ زندۂ جاوید بن جاتا ہے۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ والبرکت کی عظیم و عدیم المثال و باکردار عملی زندگی دیکھ کر ہم جیسے نادم و غافل انسانوں کو اپنے حال پر ندامت ہوتی ہے کہ کاش ہم اپنی زندگی اسی طرح اعمالِ صالحہ سے آراستہ کرلیں!! جس طرح ان بزرگانِ دین نے اپنی زندگی دنیا میں آخرت کے لئے آراستہ کی تھی۔ اور ہم افسوس کے ساتھ ہاتھ مَل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چونکہ ہم اپنی زندگی کے انمول پل دنیا کے لہو ولعب میں گنوا چکے ہیں۔ پھر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ:

دریغا کہ وصلِ جوانی برفت
بہ لہو و لعب زندگانی برفت

خدائے عزوجل آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کو غریقِ رحمت کرے۔ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ان بزرگانِ دین کے طفیل ہم سب کی بھی بخشش فرمائے اور ہم سب کو حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ کے دائمی نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت صاحب کے لواحقین خصوصاً بالخصوص آپ کے جانشین جناب صاحبزادہ مسرور احمد مظہری ومسعودی مدظلہ العالی کو بھی صبر وتحمل کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہِ حبیبہ الکریم الامین۔

بہرحال! اس دورنگی دنیا میں دکھ تو ہر ایک کو ملتا ہے۔ زندگی آرام دہ اور خوشحال ہو یا دکھی اور پریشانیوں سے پُر، جھیلنی تو ہے۔ بقول خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے۔

عیش موسراً او مُعسِراً
الا بُدَّ فی الدُّنیا من هَمِّی

ماہرِ رضویات کا اسلوبِ تحریر و تحقیق

از: ظہیر احمد *

اللہ تعالیٰ کی یاد میں زندگی بسر کرنے والے خالق و مخلوق کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان محبوبانِ خدا کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اس فہرست میں اس بندۂ خدا کا نام بھی موجود ہے جسے آج دنیا مسعودِ ملت، ماہرِ رضویات ڈاکٹر مسعود احمد کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دہلی کے معروف دینی گھرانے میں ۲۴/اکتوبر ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۹۶۶ء) ہیں۔[۱] آپ مسلکاً سُنّی، مذہباً حنفی، مشرباً نقشبندی اور مولوداً دہلوی تھے۔ قرآن حکیم کی تعلیم کے بعد مدرسۂ عالیہ عربیہ دہلی میں ۵ سال تک مزید دینی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فاضل فارسی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء میں بی۔ اے اور ۱۹۵۸ء میں ایم۔ اے اردو کی اسناد سندھ یونیورسٹی جامشورو سے حاصل کیں اور اسی جامعہ سندھ سے ہی ۱۹۷۱ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔[۲]

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے محکمۂ تعلیم میں ۱۹۵۸ء تا ۱۹۹۳ء بحیثیت لیکچرر، اسٹنٹ پروفیسر، پروفیسر، پرنسپل اور ایڈیشنل سیکریٹری وزارتِ تعلیم شاندار خدمات انجام دیں۔[۳]

ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی تصنیفی زندگی کا آغاز ۱۹۵۱ء سے ہوا جو تادمِ وصال (۲۸/اپریل ۲۰۰۸ء) جاری رہا۔ وہ موضوعات و عنوانات جن پر آپ نے مقالات یا مضامین تحریر کیے ہیں ان میں قرآن، حدیث وفقہ، سیرت، سوانح، اخلاقیات، شخصیات، تصوف، ادب، فلسفہ، اقبالیات، تاثرات، نفسیات اور سیاست وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں تصنیفات و تالیفات کی تعداد بھی ایک سو سے زیادہ ہے۔ آپ کی تصنیفات اس قدر دلنشین اور پسندیدہ ہیں کہ اب تک آپ کی تقریباً چالیس کتابوں کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے۔ آپ کے دو تحقیقی مقالے ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' (لاہور) میں شائع ہو چکے ہیں اور دیگر دو اہم مقالوں کو ایران، اردن وغیرہ ممالک سے شائع ہونے والے انسائیکلوپیڈیا میں جگہ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف کتابوں پر آپ کے تبصرے، پیش لفظ، مقدمے، تقاریظ، تاثرات اور پیغامات بھی شائع ہو چکے ہیں۔[۴]

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی اور مفتی احمد رضا خاں بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ پر تحقیق کے میدان کو منتخب کیا اور اسے بطور طرزِ زندگی اپنا لیا۔ آپ تلاشِ حقیقت کے بڑے جویا تھے۔ آپ نے سخت محنت سے کام لیا۔ آپ کی ذات میں تحقیق و جستجو کی سچی لگن موجود تھی۔ آپ نے پورے انہماک اور دلچسپی سے تحقیقی خدمات انجام دیں۔ آپ جس موضوع پر بھی تحقیق کا ارادہ فرماتے۔ اس موضوع کے متعلق وافر معلومات کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتے اور تمام اہم مصادر و مراجع کا باریک بینی سے مطالعہ فرماتے۔ جمع شدہ مواد کی خوب چھان پھٹک کرنے کے ساتھ ساتھ ترتیب اور تنظیم کو بھی ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر و تحقیق کا اسلوب بہترین اور علمی ہے۔ آپ کا اندازِ بیان سنجیدہ، سادہ اور مؤثر ہے۔ آپ بڑی خوبصورتی اور صحت کے ساتھ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ آپ کی تحریر میں اقتباسات کا استعمال برمحل اور مناسب ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر میں اختصار اور جامعیت کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ آپ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں لکھ دیتے ہیں۔ علامہ محمد صدیق ہزاروی صاحب لکھتے ہیں کہ

''ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا قلم اسلامی تعلیمات اور مفکرینِ اسلام کی خدمات کو اجاگر کرنے میں مصروف رہا۔ آپ نے علمائے اہلِ سنت کو ایک نئے اندازِ نگارش سے روشناس کرایا۔''[۵] مولانا محمد

---

* لیکچرار گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھمبر، آزاد کشمیر۔

احمد مصباحی رقم طراز ہیں کہ ''انہیں (ڈاکٹر مسعود صاحب کو) بارگاہِ قدرت اور آستانۂ رحمت سے ایک حالات آشنا مومن کا دلِ سوزمند، ایک دوررس مفکر کا ذہن، ایک پُر خلوص داعی کی فکر، ایک جفاکش محقق کا ذوقِ جستجو، ایک حقیقت نگار مؤرخ کا قلم، ایک جادو بیان ادیب کا اسلوبِ تحریر، ایک مردِ طریقت کا حسن کردار اور ایک عاقبت اندیش کی جہدِ لیل و نہار نصیب ہوئی ہے۔'' [۶]

پروفیسر صاحب کی کتابوں کا اسلوبِ نگارش نہایت مؤثر، پُرکشش، دلفریب، سائنٹفک، دلربا اور وجدان کو چھو لینے والا ہوتا ہے۔ جو پڑھتا ہے، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ تحریر میں برجستگی اور روانی اتنی کہ جیسے قلم کو جنبش دی گئی اور سیل رواں کی طرح بہتا چلا گیا ہو، مدلل اس طرح کہ جو بات کہی گئی ہے سند اور دلیل سے کہی گئی ہے۔ اندازِ نگارش ممتاز، منفرد، سنجیدہ اور پُر وقار ہے۔ [۷]

ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسلوبِ تحریر و تحقیق سے متاثر سید محمد طاہر الحسن (سیکریٹری بزم فیضانِ حق و علامہ سید سلیمان ندوی لائبریری نیو کراچی) لکھتے ہیں کہ آپ کے منصفانہ و مبصرانہ اندازِ تحریر کا گرویدہ ہوں۔ آپ کے مضامین تاریخی معلومات اور علمی تحقیقات کا امتزاج اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ آپ کا اندازِ بیان انتہائی شستہ اور شائستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر حقیقت پسندانہ رویہ، مستند و مدلل اور ناقابلِ تردید دلائل سے لبریز ہوتا ہے۔ آپ کے تحقیقی مضامین اور آپ کے مقالہ جات قاری کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ [۸]

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے اسلوبِ تحریر کے ذریعہ ذوقِ مطالعہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کی تصنیفات اعتدال و پختگی، اور شگفتگی و روانیٔ قلم کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ آپ کا قلم حقیقت نگار اور آپ کا اندازِ تحریر پختہ ہے۔ آپ کا قلم حق لکھنے اور حق کو ثابت کرنے کے لیے غیر جانبداری سے رواں دواں نظر آتا ہے۔ مشکل سے مشکل علمی مباحث کو آپ اس قدر سہل، شیریں اور دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ معمولی صلاحیت کا قاری بھی آپ کی تحریر کو بوجھل اور مشکل خیال نہیں کرتا اور آپ کی تحریر کو دلچسپی سے پڑھتا ہے۔

آپ کی تحریر میں تمام فنی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ادب کی موشگافیاں بھی ہیں اور نثر میں نظم کا لطف بھی حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا ہر جملہ اپنے اندر افادیت تامہ رکھتا ہے۔ آپ کی تحریریں جدید ادبی تقاضوں سے مکمل مطابقت رکھتی ہیں اور عقلیت پسندی اور حقیقت پسندی کی آئینہ دار ہیں۔ آپ کی تحریر میں میانہ روی اور دور اندیشی کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ ہر بات کو سمجھ کر اور پرکھ کر مع الدلائل لکھنے کے عادی ہیں۔ [۹]

ڈاکٹر سید محمد عارف لکھتے ہیں کہ ان کی تحریروں کا سب سے نمایاں وصف ان کا بارعب اور باوقار اندازِ بیان ہے۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام سے ان کو عقیدت ہے اور ان کی سوانح عمریاں ڈاکٹر صاحب کی اکثر و بیشتر نگارشات کا محور رہی ہیں۔ اسی تعلق نے ان کے اندازِ تحریر کو بھی متاثر کیا ہے۔ [۱۰]

بقول سید انور علی ایڈووکیٹ ان کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حقائق کو بے لاگ پیش کرتے ہیں۔ نہ کسی کی دل آزاری ان کا مقصود ہوتا ہے اور نہ کسی کی تذلیل و تحقیر۔ آپ رائے کو حقائق کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ [۱۱]

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی تحریر و تحقیق میں حسن ترتیب و سلیقہ مندی، فصاحت و بلاغت، وضاحت، استدلال، فراست و متانت، ایجاز و بلاغت ایسی خوبیاں خاص طور پر پائی جاتی ہیں۔ گہرے علمی اور تحقیقی مسائل کے بیان میں بھی ان کی تحریر کی دلکشی برقرار رہتی ہے جو قاری کے دل و دماغ کو متاثر کرتی چلی جاتی ہے۔ مدیر سہ ماہی ''الکوثر'' لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر محمد مسعود احمد اپنی اچھوتی نگارشِ تحریر کی بنیاد پر بین الاقوامی سطح پر ہر طبقۂ خیال میں محبوب قلم کار کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ خالص علمی، تحقیقی مضمون کو ایسا نرالا انداز عطا فرماتے ہیں کہ بس پڑھتے رہیے۔'' [۱۲]

تحریر و تحقیق میں روانی و سہولت کے اوصاف بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی تحریروں میں یہ اوصاف

ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ آپ موضوع کے اعتبار سے اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ موضوع خشک ہو یا تر، آپ کی شگفتگی، لطف، مطالعہ کی کیفیت اور حسنِ تحریر کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ شعریت کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی نثر ابہام سے پاک ہے اور یہ بہت بڑا وصف ہے۔ ان کے یہاں خیالات کا بہاؤ اس قدر حسین کہ الفاظ کی تراش و خراش اور صناعی کے باوجود جوبن امڈ پڑتا ہے۔ آپ ایجاز و اختصار کے ساتھ اپنے موضوع کو جس خوبی سے واضح کرتے ہیں، وہ لائقِ تحسین ہے۔ تحریر کی سلاست اور بلاغت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو تحریر و تحقیق پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ آپ کا انداز ادیبانہ، منطقیانہ اور جمالیاتی ہے۔ آپ کی تحریریں مقفّٰی اور دلکش و عام فہم ہیں اور دل و دماغ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ آپ کی تحریر میں خوشگوار ہلکے پھلکے طنز کی صورت میں تڑپ، درد اور سوز و نصیحت و عبرت کے سبق موجود ہیں۔ آپ کے اندازِ بیان میں توضیحی اور بیانیہ دونوں طریقے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی رقمطراز ہیں کہ ڈاکٹر مسعود احمد کے افکار و نظریات پر ان کے والد ماجد مفتی مظہر اللہ صاحب، شیخ سرہندی، امام احمد رضا بریلوی، ڈاکٹر اقبال اور استاذ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا اثر گہرا ہے اور ان ہی اثرات نے ان کے طرزِ تحریر کو جداگانہ رنگ عطا کیا ہے۔ علمی اور تحقیقی مضامین میں تشریح و توضیح اور استدلال کا انداز امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے تو متصوفانہ مضامین میں طرزِ تحریر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ سے متاثر نظر آتا ہے اور اس میں مستی و کیف شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصوف کی ہوتی ہے اور بلاغت و معنی آفرینی اقبال کے طرز کی اور تدبر و وقار مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا ہوتا ہے جو روح کی طرح ان کی نگارشات میں سمایا ہوا ہے۔ لیکن ان کا ادبی انداز خود ان کا اپنا مخصوص انداز ہے۔ [۱۳]

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اپنی تحریروں میں محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فلسفی، معقولی، منطقی، صوفی، ادیب اور منصف کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ کا اسلوبِ تحریر و تحقیق مقصدیت، جانچ پرکھ، ایجاز و اعتدال، انشاء پردازی، مرقع نگاری، جائزہ نگاری، تنقیدِ متین، طنز و ظرافت و تعریض، سلاست و روانی، فصاحت و بلاغت، ترتیب و تنظیم، متانت و وقار، استدلال، اخلاقی جرأت، حق گوئی، بے لوثی اور غیر جانبداری وغیرہ خصوصیات کا آئینہ دار اور شاہکار ہے۔

فہرستِ مآخذ

۱۔ جہانِ مسعود از آر۔ بی مظہری، ص: ۲۷، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۵ء

۲۔ ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی۔ جون ۲۰۰۸ء، ص: ۲۷

۳۔ تذکارِ مسعودِ ملت، مرتبہ: محمد عبدالستار طاہر، رضا دارالاشاعت، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۲

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۸۶ (ملخصاً)، مقالہ ڈاکٹریٹ بہار یونیورسٹی، بھارت، ۱۹۹۲ء۔ از: ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

۵۔ تعارفِ علمائے اہلِ سنت از مولانا محمد صدیق ہزاروی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء۔

۶۔ تعارف ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۸۱ء۔

۷۔ پیش لفظ ''گناہِ بے گناہی'' مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۸۱ء۔

۸۔ مکتوب بنام ڈاکٹر مسعود احمد، محررہ ۱۰ر فروری ۱۹۸۱ء۔

۹۔ مکتوب بنام ڈاکٹر مسعود احمد محررہ جولائی ۱۹۷۱ء

۱۰۔ ''تذکرۂ مسعود'' مشمولہ ''سیرتِ مجدد الف ثانی'' مصنفہ ڈاکٹر مسعود احمد، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۴ء

۱۱۔ تقدیم کتاب ''تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم''، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۳۵

۱۲۔ سہ ماہی ''الکوثر''، سہسرام، بہار، انڈیا، شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۹ء، ص: ۷

۱۳۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۳۵۱۔ از: ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، مقالۂ ڈاکٹریٹ بہار یونیورسٹی، بھارت، ۱۹۹۷ء۔

مسعودِ ملت ۔ رضویات میں عہد ساز شخصیت

مفتی محمد یعقوب معینی☆

ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ایک ایسی عدیم النظیر گران قدر شخصیت کا نام ہے جو مرصع بصفاتِ جمیلہ تھے۔ جہاں وہ ڈاکٹر اور پروفیسر تھے وہاں وہ باوقار عالم اور فاضل بھی۔ اگر ایک طرف علومِ اسلامیہ اور ادب پر یدِ طولیٰ رکھتے تھے تو دوسری طرف علومِ جدیدہ کے لیے طرۂ امتیاز بھی۔ تحقیق و تنقید کے میدان میں منفرد و بے مثال کردار و عمل میں اسلافِ کرام کا نمونہ۔ آپ کی شخصیت ایک ایسی واضح اور کھلی کتاب تھی جس سے علم و ادب کے سربستہ راز حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بعض ہستیاں محتاجِ تعارف نہیں ہوتیں بلکہ ان کا ذکر کرنے والا خود قابلِ تعریف بن جاتا ہے۔ ان کی مقدس زندگیاں روح پرور تعلیمات اور ایمان افروز خیالات کا آئینہ اور نشان عظمت شان ہوتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی فرد کی شخصیت اور عظمت کو بیان کرنے کے لیے باعظمت ہونا بے حد ضروری ہے۔ علمی کم مائیگی اور فکری نارسائی کی بنا پر ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اظہارِ خیال آپ کے مرتبۂ کمال اور بلند مقام اور عظمت کے مقابلہ میں یقیناً کم ہوگا۔ ہم نے کامیابی و کامرانی کے مختلف اصول بنا لیے ہیں لیکن حقیقی معنوں میں کامیاب وہ ہے جس نے سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع سے اپنی شخصیت کو روشن اور اپنی سیرت کو تابناک بنالیا اور اپنے علم و عمل سے انسانی قلوب کو علم و آگہی کے نور سے منور کیا۔

مرجع العلماء والفضلاء، سند المحققین، مظہر جمال مظہر اللہ، مسعود ثانی حضرت پیر طریقت رہبرِ شریعت، مفکر اسلام، مسعودِ ملت ان ہی بابرکت ہستیوں میں ایک گوہر نایاب اور بیش قیمت ملی اور قومی ورثہ تھے۔ آپ کی نادر اور انوکھی شخصیت جدید و قدیم علوم کا بے مثل حسن امتزاج ہے۔ بیشتر لکھنے والے انہی موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا تحقیق سے لکھا اور شواہد و دلائل کے ساتھ لکھا۔ آپ کی تحریر و تقریر میں جان ہوتی تھی۔ قاری اور سامع کو اپنی طرف متوجہ رکھتے اور اس کو ساتھ لے کر چلتے۔

آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا، اس کا حق ادا کر دیا۔ آپ کا اندازِ بیان نہایت دل آویز اور زبان نہایت شستہ ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں آپ جس طرح کام کی باتیں سپردِ قلم کر دیتے۔ یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ سمندر کو کوزے میں بند کرنا کوئی آپ سے سیکھے۔ یہ کمال اور دوسری خوبیاں اللہ تعالیٰ کی عطائے خاص تھیں کہ جسے دورِ قدیم والے بھی چاہیں اور دورِ جدید والے سراہیں۔ آپ کی نگارشات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی اور اُن کو صراطِ مستقیم پر لانا تھا تاکہ وہ قربِ الٰہی اور اتباعِ مصطفیٰ ﷺ کی دولت سے مالا مال ہوسکیں۔ اس سلسلے میں آپ کا ارشادِ گرامی ہے، ''دنیا میں جو آیا اس کو خلوص کے ساتھ اپنے تجربات و مشاہدات، واقعات، محسوسات قلم بند کرنے چاہئیں تاکہ آنے والے کے لیے کارآمد ہوں اور وہ اپنی تاریک زندگی

☆ جامعہ علویہ غوثیہ، ہجرت کالونی، کراچی۔ خطیب اوکھائی میمن مسجد، کھارادر، کراچی

کو روشن کرسکیں۔"

آپ کی نگارشات میں تصانیف، تالیفات، مقالات، مضامین، تقدیمات، پیش لفظ، مکتوبات، پیغامات، تبصرے، خلافت نامے اور تراجم وغیرہ شامل ہیں جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔آپ کی تصانیف کے موضوعات میں قرآن کریم، تفسیر قرآن، حدیث پاک، فقہ، تصوف، سیرت، سوانح، تاریخ، سیاست، ادب، تنقید مواعظ، دعوتِ اسلام، معاشیات، عمرانیات، نفسیات، سائنس، شماریات، دائرۃ المعارف اور عملیات شامل ہیں۔

حضرت مسعودِ ملت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے والے حضرات کی ایک طویل فہرست ہے۔ اِن میں علماء، پروفیسرز، ڈاکٹرز، محققین، دانشور، صحافی، اساتذہ، طلباء، پردہ نشین اور گوشہ نشین سبھی شامل ہیں۔غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو آپ کے فیض واثر سے خالی ہو۔ان حضرات میں آپ جانے جاتے ہیں۔ پہچانے جاتے ہیں اور مانے جاتے ہیں۔۔۔غرض یہ کہ کون آپ کا معتقد نہیں اور کون ہے جو آپ کا شیدا نہیں۔ازدوزبان و ادب میں ایسے لوگ خال خال ملیں گے جو بیک وقت عالم دین، پروفیسر، دانشور، محقق، مفکر، ادیب ومصنف اور نقاد، سب ہی کچھ ہوں۔اس کے ساتھ ساتھ آپ ہادی ومرشد بھی تھے۔آپ کے معتقدین اور مریدین سلسلہ بے حد وسیع ہے جو دنیا کے اکثر ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ پاک کا گوشہ گوشہ ملت اسلامیہ کے لیے انمول و نادر و نایاب نعمت کا درجہ رکھتا ہے۔ سارے عالمِ اسلام میں اس برگزیدہ ہستی کا علمی روحانی فیض کسی نہ کسی انداز میں پھیلا ہوا ہے اور پھیل رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت وفراست سے نوازا۔آپ علومِ قرآن، علومِ حدیث پر مکمل عبور رکھتے تھے۔آپ زہد وتقویٰ میں بے مثال تھے اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی دولت سے مالا مال تھے۔یہ معمولی بات نہیں ہے کہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم کی بڑی تعداد آپ کی خوبیوں اور کمالات سے متاثر تھی اور اس پیکرِ صدق ووفا اور منبع جود وسخا کی صلاحیت اور علمیت کی اعلیٰ صفات کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور دل وجاں سے اس کی معترف اور معتقد ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیق و تدوین کے سلسلے میں آپ کی بے لوث خدمات کا کون معترف نہیں۔یہ بات بلاخوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ اب اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا نام ذہن میں آتے ہی ایک اور نام فوراً لوگوں کی زبان پر آجاتا ہے اور وہ عصر حاضر کے عظیم اسکالر، عظیم عارف، غیر جانبدار محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کا ہے۔

اعترافِ عظمت و فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک فاضل اسکالر محترم جناب محمد بناء ڈربن (جنوبی افریقہ) رقم طراز ہیں:

"دنیائے سُنّیت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کی بڑی ممنون ہے جنہوں نے دینِ اسلام میں سے ایک عظیم مجدد کے پیغام اور تعلیمات کو پھیلانے کے لیے اپنی ساری زندگی وقف کردی۔پروفیسر صاحب نے مغربی دنیا اور انگریزی جاننے والی دنیا کی دوسری قوموں میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا خوب تعارف کرایا ہے۔اگر یہ کہا جائے رسول اللہ ﷺ نے اپنے عاشق کی علمی خدمات کی طرف دنیا کی توجہ کرانے کے لیے پروفیسر مسعود احمد صاحب کا خاص طور پر انتخاب فرمایا تو ہمیں ذرہ برابر بھی تعجب نہیں۔"

ڈاکٹر صاحب کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے وہ تاثیر اور برکت

رکھی تھی کہ جب لکھنے پر آتے تھے تو آپ روانی کے ساتھ لکھتے چلے جاتے، رکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی بے شمار تصانیف و تالیفات کے علاوہ آپ کے تحقیقی مقالات، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لاہور) کے علاوہ اردن، ایران اور بنگلہ دیش کے انسائیکلو پیڈیاز میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی تحریر کی مقبولیت اور دل نشینی کے باعث آپ کی پچاس سے زیادہ مختلف کتابوں کے انگریزی، فرنچ، فارسی، عربی، پشتو، ہندی، سندھی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اس عظیم محقق و نقاد نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ ان کی تحقیقات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ آپ کی علمی خدمات اور حالات و افکار پر ۱۰۰۰ اصفحات پر مشتمل محترم ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی صاحب، بہار یونیورسٹی (بھارت) نے ایک ضخیم مقالہ تحریر کیا ہے جس پر ان کو پی. ایچ. ڈی کی سند مل چکی ہے۔

دورِ حاضر کے بلند پایہ ادیب، باکردار انسان جناب پروفیسر صاحب اس زمانے کی وہ انمول ہستی تھے جن کو دنیائے اسلام ہمیشہ یاد کرتی اور دعائیں دیتی رہے گی۔ آپ ایسے عاشقِ رسول تھے کہ جن کی پوری زندگی اطاعتِ الٰہی کی تفسیر اور اتباعِ مصطفیٰ ﷺ کی تعبیر تھی۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بھی آپ کو ایک بلند مقام حاصل تھا۔ دنیائے سنیت میں آپ سرمایۂ اہلسنّت ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت تھے۔ اور مولانا مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

پروفیسر مسعودِ ملت کے مشفق اور مربی جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (علیہ الرحمۃ) اپنے ہونہار شاگرد کے بارے میں اس طرح رائے ظاہر فرماتے ہیں:

''میری پوری مدتِ ملازمت میں وہ میرے سب سے بہترین شاگرد رہے ہیں۔ میں ان پر بجا طور پر فخر کرتا ہوں۔ ان جیسے باوقار، باکردار اور باصلاحیت طلبا موجودہ حالات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ وہ ان محققین میں سے ہیں جن پر فضلا و اعتماد کر سکتے ہیں اور جن پر کسی بھی یونیورسٹی کو فخر ہو سکتا ہے۔ میرے عزیز فاضل شاگرد مشہور مصنف ہیں۔ بہت کتابیں لکھ چکے ہیں۔ مجھ سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ کئی کالجوں میں پرنسپل رہ چکے ہیں اور غالباً ایڈیشنل سیکریٹری محکمۂ تعلیم کی حیثیت سے فارغ ہوئے ہیں۔''

(مکتوب محررہ ۱۹۹۸ء)

ڈاکٹر شمس مصباحی پورنوی، بھارت، رقمطراز ہیں:

''حضرت ڈاکٹر علامہ محمد مسعود احمد مدرسۂ عالیہ دہلی سے اسلامی علوم کے فاضل ہیں۔ سندھ یونیورسٹی سے پی. ایچ. ڈی ہیں۔ یوں ان کی شخصیت دینی بصیرت، عصری آگہی اور روحانی انوار و تجلیات سے روشن و منور ہے۔ دنیاوی مناصب و اعزازات اس پر مستزاد۔ ہزاروں شاگردوں کے مشفق استاد ہیں۔ ہزاروں مریدین کے مقتدر مرشد و مربی ہیں۔ بزمِ صوفیا میں وہ صوفی باصفا، انجمنِ علما میں محتاط عالم، اربابِ تحقیق کے درمیان نمایاں امتیازات کے حامل، دانشوروں میں منفرد دانشور، اسکالروں میں ممتاز اسکالر، مریدین کے نذرانے ان کی جیب میں نہیں بلکہ کتابوں کی طباعت اور ابلاغ و ارسال پر خرچ کیے جاتے ہیں۔''

سیرتِ رسول ﷺ کی سچی تصویر، اسلامی زندگی کی کھلی کتاب جس کا ہر ورق تابناک، سبق آموز، قابلِ عمل، لائقِ تقلید، کیا عوام کیا خواص، ہر ایک کے لیے آئیڈیل اور آئینۂ اسلاف، ظاہر بین لوگ تن، سنوارتے ہیں، من کا خیال نہیں رکھتے۔ جبکہ من کی آرائش

ہی خدا اور رسول کو مطلوب و محمود ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں روح و باطن کی تطہیر میں لگائے۔ اس راہ کے جو راہی ہیں، ان کی صف میں بٹھائے، ان کے قدموں میں لائے، ان کے جوار میں سلائے، ان کی معیت میں اٹھائے اور ان ہی کی جمعیت میں سید الرسل ﷺ سے ملائے۔"

ڈاکٹر اختر بستوی، شعبۂ اردو، گورکھپور یونیورسٹی، یوپی، بھارت لکھتے ہیں:

"آپ کی شخصیت دنیائے اسلام اور دنیائے ادب اردو، دونوں کے لیے باعثِ تکریم ہے کیونکہ آپ نے اپنے قلم سے اسلامی عقائد کی تبلیغ کے لیے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور اردو کے تنقیدی ادب کو بے بہا تنقیدی جواہر پاروں سے بھر دیا ہے۔ خاص طور پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی علمی، دینی، نعت گوئی کی خدمات بلندیوں سے روشناس کرنے کی انتہائی کامیاب و مستحسن کوشش کی ہے۔ اسے اہلِ اسلام اور اہلِ اردو کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

آپ اپنے دین اور اپنی زبان کے ادب کے ایسے بلند پایہ خادم ہیں کہ بے شمار لوگوں کے مخدوم بن گئے۔"

(مکتوب بنام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، محررہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۸۹ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو علم داں طبقوں میں متعارف کرانے میں آپ نے مجتہدانہ طرز اپنایا اور یہ کام تاریخ کا اہم باب بن گیا۔ آپ رضویات کے سلسلے میں جز و لاینفک کی حیثیت اختیار کر گئے۔ آنے والے اہلِ سنت کے مؤرخ آپ کی خدمات کو نہ تو نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ ہی سُنّی دنیا آپ کے احسانات کو فراموش کرسکتی ہے۔ آپ کی تحریروں نے غلط فہمی کا صرف ازالہ ہی نہیں کیا بلکہ حقائق و معارف کو وا آشگاف کیا۔ جو کام مستند علما کا تھا، ایک اکیڈمی کا تھا، آپ نے تن تنہا اس کام کا بیڑا اٹھایا اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ ان ساری کامیابیوں اور کامرانیوں کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ کام لیا ہے جس کی علمی دنیا اور دانشور طبقے کو ضرورت تھی۔

وہ عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے۔ پہلے وہ عالمِ دین، پھر وہ دانشور و اسکالر، پہلے وہ فاضلِ علومِ اسلامیہ پھر وہ ڈاکٹر، پروفیسر اور پرنسپل اور وزارتِ تعلیم کے رکن، انوکھی تحقیق، نرالی فکر کے صاحبِ اسلوب ادیب و مصنف، بے نظیر محقق و مفکر، اہلِ دل، پیرِ کامل، مرشدِ طریقت اور استادِ روحانیاں، غرض ہر پہلو روشن ہر جہت سے عالی منصب تھے۔ وہ کسی کوٹھی یا بنگلے میں نہ رہتے تھے بلکہ سادہ گھر میں کہ زندگی کٹ سکے۔ پورا خانہ سادگی، سنجیدگی اور سنتِ نبوی کا نمونہ نیچے اُن کا اہلِ خانہ اوپر کتب خانہ یہ تھی آپ کی زندگی مبارک۔

دنیا ان کو صدیوں تک یاد کرے گی۔ بے شک اہلِ سنت و جماعت کو آپ کے جانے سے عظیم نقصان پہنچا ہے لیکن امید ہے کہ آپ کی تالیفات سے دنیا استفادہ کرتی رہے گی۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے
میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے
(حدائقِ بخشش)

آہ! ماہرِ رضویات

از: محمد فیاض احمد اویسی رضوی

عالم اسلام کی عظیم علمی و روحانی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ ۲۸ اپریل کو کراچی میں وصال فرما گئے۔ مرحوم موصوف بیشمار اسلامی، دینی، اصلاحی کتب کے مصنف تھے۔ ان کا اسلوب تحریر ایسا دلنواز تھا کہ پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا ان کے قلم میں ایسی خداداد طاقت تھی کہ جب وہ کسی موضوع پر لکھتے الفاظ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتے اور انداز تحریر ایسا جامع اور مدلل و محقق ہوتا کہ کسی کو انکار کی مجال ہی کہاں۔

بہت عرصہ پہلے ایک گھناؤنے منصوبہ اور سازش کے تحت جدید تعلیم کے دلدادہ لوگ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نئے مذہب کا بانی قرار دیا جانے لگا۔ انہوں نے مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے دفاع میں ایسا تحریری کام فرمایا کہ آج دنیا انہیں ماہر رضویات سے یاد کرتی ہے۔ امام احمد رضا کی ذات پر انہوں نے ہر زبان میں ایسے مدلل و محقق مقالہ جات/ مضامین لکھے کہ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ حضرت کے علوم پر سینکڑوں متلاشیان علم نے تحقیقات کی۔

گزشتہ چند سال قبل حضور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، روحانی خدمات پر کئی مجلدات پر ضخیم کتاب بنام ''جہان امام ربانی'' ترتیب دی جس میں ممتاز جید علماء کرام و مشائخ عظام کے مقالات جمع فرمائے اور خود بھی اس میں نادر و نایاب مضامین تحریر فرمائے۔ علمی ذوق رکھنے والے وہ حضرات جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیقات کر رہے ہیں ان کے لیے یہ کتاب انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت موصوف ایک عالم باعمل شیخ طریقت تھے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والا ایک روحانی سکون محسوس کرتا تھا فقیر کو باب المدینہ (کراچی) ان کے آستانہ پر کئی مرتبہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ان کی باتوں میں جو روحانی کیف و سرور تھا وہ زندگی بھر یاد رہے گا۔ ان کی ہر بات با مقصد پائی بلکہ بات بات میں مسلک حق اہلسنت پر کام کرنے کی رہنمائی ہوتی۔ مسلک رضا پر کام کرنے والوں کی وہ اس خوبصورتی سے حوصلہ افزائی فرماتے کہ کام کرنے کا عزم مصمم ہو جاتا۔ اپنے در دولت پر آنے والے کی بھرپور مہمان نوازی فرماتے، مہمان کو رخصت کرتے وقت بہت سارے علمی جواہر پارے (کتب/ رسائل) تحفتاً عطا فرماتے۔

بہاولپور میں ان کے بہت قریبی عزیز ہیں جب ان کے ہاں تشریف لاتے تو جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں ضرور قدم رنجہ فرماتے۔

جامعہ کے فضلاء کے لیے ہر سال اپنی تصانیف جلیلہ کے کارٹون ارسال فرماتے۔ حضور مفسر اعظم پاکستان مدظلہٗ کے ساتھ ان کا گہرا دلی لگاؤ تھا ان کے تحریری کام پر انہوں نے جتنا حوصلہ افزاء مقالہ جات تحریر فرمائے ہیں وہ صدیوں تک روشن تاروں کی طرح چمکتے رہیں گے۔ نہ صرف تحریراً حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ عملاً بے شمار غیر مطبوعہ مسودہ جات جو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کے لیے اشاعتی اداروں کو حکم فرمایا۔ حضور مفسر اعظم پاکستان مدظلہٗ نے ان کے وصال پُر ملال پر گہرے دکھ و رنج کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ان کے انتقال سے جو خلاء ہوا وہ صدیوں پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔

کلام ا ... رفان ی جیں

م ... سطفیٰ ر ... ی ☆

بامعنی اشعار روح کو تڑپا دیتے ہیں، دل کو ... ہکا د... ہیں ... میں ارتعاش پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر تھکی طبیعت تازہ ... اٹھتی ... مردہ دل کھل اٹھتے ہیں۔ اشعار کی دنیا کا عجیب عالم ہے، ہر ... رنگ آفریں شعر کشش و رعنائی رکھتا ہے۔ تو پھر جب شاعری کا محرک وہ جذبہ ہو جس کا تعلق ظاہر سے نہیں باطن سے ہو، محبوب مجازی سے نہیں محبوب رب کائنات سے ہو، جہاں محبتوں کے گگن سایا فگن ہوں تو جو شعر ان کے جلووں سے منصۂ شہود پر آئے گا وہ حقیقت کا عکاس اور مرض دل کا نباض ہوگا، آئینہ صدق و جمال ہوگا۔ صنف سخن میں "نعت" کی قدر و منزلت آشکار اور حق شعار رہی ہے۔ اس میں محبت و عشق کا التزام ضروری ہے یوں عرفان حاصل ہوتا ہے۔ نعت کا قصر رفیع خدائی اکرام و انعام سے نہال و مالا مال ہے۔ اور اس میں ہر آن اہتمام شریعت کی پاس داری و رعایت درکار ہوتی ہے۔ یہاں ریا و تصنع کی بنیادیں نہیں ہونی چاہئیں بلکہ صدق و صفا کا عنصر چاہیے۔ الفت و عقیدت کی واقعیت کے لیے صرف شعری حسن ہی درکار نہیں پاس شرع کا التزام بھی ہر لحظہ محل نظر رہے۔

فنی و شعری لوازمات کے ساتھ شریعت کی مکمل پاس داری علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں اختر بریلوی کے کلام میں رچی بسی اور جلوہ ساماں دکھائی دیتی ہے۔ آپ کا اصل میدان تو خدمت شرع و حدیث اور دعوت و تبلیغ ہے لیکن قلب گداز کی تسکین اور موروثی دولت عشق و عرفان مصطفیٰ ﷺ کی ترویج و اشاعت کی خاطر زبان اختر محبوب کی یاد میں جب وا ہوتی ہے تو ایسے اشعار بھی ادب کے دامن کو نہال و بحال کر جاتے ہیں اور تپش دل کو بڑھا جاتے ہیں کہ الفت و محبت الفاظ کی قبائے دل کش پہن لیتی ہے۔

عطا ہو بے خودی مجھ کو خودی میری ہوا کر دیں
مجھے یوں اپنی الفت میں مرے مولیٰ فنا کر دیں

پی کے جو مست ہو گیا بادۂ ... ستِ مصطفیٰ
... کی خدائی ہو گئی اور وہ خدا کا ہو گیا

حضرت اختر بریلوی اس محتاط ادبی اسکول کے تربیت یافتہ ہیں جہاں حزم و احتیاط کو فوقیت حاصل ہے، جہاں ادب و احترام کا شعور دیا جاتا ہے اور محبت بارگاہ نبوی کے آداب و احترام سکھائے جاتے ہیں۔ اس لیے کلام سحر طراز بے جا سے محفوظ رہتا ہے اور شعر کا بنیادی مصدر قرآن مقدس ٹھہرتا ہے۔ اس جہت سے جب ہم عہد رواں کے محتاط و ممتاز شاعر حضرت اختر بریلوی کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں تو لفظ لفظ اور حرف حرف سے عشق و عرفان کی خوش بو پھوٹتی اور پھیلتی محسوس ہوتی ہے اور روح جھوم جھوم جاتی ہے، ایمان طراوت پاتے ہیں، الفاظ صف در صف نظر آتے ہیں۔ ہر ہر لفظ یوں جیسے انگوٹھی میں نگینہ اور اس زمیں پہ مدینہ، قلب بے قرار طیبہ کی یاد میں مچل اٹھتا ہے اور ایسے شعر بھی سخن کو اوج عطا کرتے ہیں۔

جاں تو ئی جاناں قرار جاں تو ئی
جان جاں جان مسیحا آپ ہیں

مہ و خورشید و انجم میں چمک اپنی نہیں کچھ بھی
اجالا ہے حقیقت میں انھیں کی پاک طلعت کا

اٹھاؤ بادہ کشو! ساغر شراب کہن
وہ دیکھو جھوم کے آئی گھٹا مدینے سے

محبت میں ادب و آداب کا لحاظ بڑا نازک امر ہے اس لیے کہ محبوب خدا کا ادب و احترام ایمان کی کسوٹی ہے یہ اگر مجروح ہوا تو دل کا عالم زیر و زبر ہو جائے گا، عقیدے کی فصل جل جائے گی، فکر کی جولانی ماند پڑ جائے گی۔ نعت کی نازک منزل میں بھی حضرت علامہ اختر رضا بریلوی

☆ نوری مشن، مالیگاؤں، انڈیا۔ noori_mission@yahoo.com

کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی بلکہ وہ شریعت کے ادب و آداب کی پاس داری کو مقدم رکھتے ہیں، اسی لیے آپ کے اشعار سے جہاں سخن کو تابندگی ملتی ہے وہیں دل کے سب داغ دھل جاتے ہیں اور محبت و عشق کے دیے جل اٹھتے ہیں۔ تو ایسے اشعار بھی تخیل کا جھومر بنتے ہیں۔

چشم تر وہاں بھی دل کا مدعا کہتی
آہ! با ادب رہتی مونھ میرا سل جاتا

دل کا ہر داغ چمکتا ہے قمر کی صورت
کتنی روشن ہے رخِ شہ کے خیالات کی رات

یادِ رخِ شہ دل کا قرار اور ایمان کا سنگھار ہے۔ اور اسی لیے جب "دبھی عشق کی آگ اندھیر ہے"۔ ایک در کریمی ہے جس سے دور ہو رہنے سے انسانیت کی رسوائی ہے، ذلت و ناکامی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج غم دوراں نے مسلمانوں کو خون رلا دیا ہے، غم عشق نبی ﷺ فکر و نظر میں سماجائے تو دنیا کا کوئی غم حسرت و یاس میں نہ ڈال سکے گا، شعور کے نشیمن کو خاکستر نہ کر سکے گا، عقیدے کی دنیا میں خزاں نہ لا سکے گا۔

جب کبھی ہم نے غم جاناں کو بھلایا ہوگا
غم ہستی نے ہمیں خون رلایا ہوگا

جب محبت و عقیدت کی بہاریں شبستاں میں عود کر آئیں، تو محبّ کی ہر ہر ادا محبوب کی محبت کی غمازی کرنے لگتی ہے۔ آج بساط عالم میں تقویٰ و طہارت، نجابت و استقامت، الفت و وارفتگی، اسوۂ حسنہ پر عمل اور سنتوں کی ادائیگی میں علامہ اختر رضا خاں ازہری کی ذات ایک مثال بن چکی ہے اور کردار کی چمک، افکار کی دمک، اخلاص کی مہک نے کلام کو مؤثر بنا دیا ہے۔ جو پڑھتا ہے وارفتہ ہو جاتا ہے، عشق نبوی کی چنگاری سلگ اٹھتی ہے اور تمنائے زیست کشاں کشاں کوچۂ محبوب میں منزل حیات "قضا" سے ہم کنار ہوا چاہتی ہے، وہ موت کی گھڑی میں محبوب کے جلووں کی تمنائی ہوتی ہے، کیسی ایمان افروز تمنا کہ جسے سخن کی معراج قرار دینا بجا کہیے۔

زندگی ... زندگی آ گئی
آخر ... اب مدینے چلیں

گل ہو جب ... کا چراغ ہستی
اس کی آ... میں تیرا جلوۂ زیبائی ہو

ڈنمارک کے شاتمان رسول نے ایسی جسارت کرلی کہ جس کے تصور سے ہی روح کانپ کانپ اٹھتی ہے۔ خیالی کارٹون بنا کر ان سے منسوب کیا یوں متاع عشق کو ناپنا چاہا، مسلمانوں کے جائے قرار کی توہین کر کے ایمان کو بے قرار کرنا چاہا، ایمانی درجۂ حرارت کو ناپنا چاہا تو ضروری ہوا کہ عہد کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے اس طرح سے کہ رحمت عالم ﷺ کے عشق و عرفان کا درس دیا جائے، دشمنان اسلام کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا جائے، ویسے تو رب تعالیٰ نے جب خود اپنے محبوب کے ذکر کو بلند فرما دیا تو پھر ہر لحہ ذکر محبوب کیوں نہ کیا جائے، اب جب کہ مخالفت کی آندھیاں چلائی جا رہی ہیں تو ضروری ہوا کہ نعت کے نغمات الاپے جائیں، ان کے تذکار کی خوش بو سے ہر ذرۂ دہر کو مہکا دیا جائے۔ کلام اختر جذبات کو سہارا دیتے ہیں، اشعار سے روح کیف آشنا ہو جاتی ہے، درد محبت دکھوں کا مداوا بن جاتا ہے۔

دردِ الفت میں دے مزا ایسا
دل نہ پائے کبھی قرار سلام

راقم نے قلم برداشتہ لکھے گئے اس مختصر سے مضمون میں علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری کے نعتیہ اشعار میں نبوی عشق و عرفان کی موجوں کی ایک سرسری جھلک دکھا دی ورنہ اس موضوع پر حق تحریر کوئی ادب شناس ہی ادا کر سکتا ہے۔ آپ کے نعتیہ دیوان "سفینۂ بخشش" (مطبوعہ ممبئی و بریلی و دہلی) میں شرعی التزام و اہتمام کے ساتھ شعور محبت رسول ﷺ کو پروان چڑھایا گیا ہے عہد رواں کی باد مسموم میں اسی عشق و محبت کے عرفان کی ضرورت ہے "جو قلب کو تڑپا دے اور روح کو گرما دے۔" اور کشت ایماں کو سر سبز و شاداب کر دے۔

ایک تاریخی انٹرویو۔ایک یادگار دستاویز

امام اہلِ سنت الشاہ محمد احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات اور شخصیت کے حوالے سے آپ کے شاگردِ رشید حضرت قبلہ پیر سید محمد اصغر علی شاہ، سجادہ نشین دربار لاثانیہ علی پور سیداں شریف، سے انٹرویو جو شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی میں ان سے کیا گیا۔

انٹرویو نگار: **پروفیسر محمد اکرم رضا**

علی پور سیّداں وہ خطۂ خوش بخت ہے جو پسرور اور نارووال کے درمیان واقع ہے۔ یہ گاؤں اتنا خوش بخت ہے کہ اس نے بیک وقت کئی اولیائے کرام کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا ہے۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت قبلہ سید پیر جماعت علی شاہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ہی گلشن کے دو پھول تھے جو چند واسطوں سے آگے جا کر مل جاتے ہیں۔ حضرت امیرِ ملت علی پوری جس طرح بریلی شریف، اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی، صدر الافاضل، حجۃ الاسلام اور محدثِ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہم کی خدمات سے آگاہ تھے، اس کا اندازہ آپ کے نظریاتی کارناموں اور خاص طور پر آل انڈیا بنارس سنی کانفرنس میں آپ کے صدارتی خطبوں سے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ علم لدنی سے بہرہ ور درویش کامل تھے، مگر تحریکاتِ آزادی اور بریلی شریف میں حضور فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ عالیہ سے غیر آگاہ نہیں تھے۔ آپ نہ صرف خود بریلی شریف کی مساعی سے باخبر تھے بلکہ اپنی اولاد کو بھی بریلی شریف کی مساعی کا حصہ بننے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

۱۵۴۰ء میں جب سلطانِ ہند نصیر الدین ہمایوں، شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر جان بچانے کے لیے ایران پہنچا تو وہاں کے تاجدار طہماسپ شاہ نے برسوں اسے پناہ بھی دی اور اس کے احترام میں کمی بھی نہ آنے دی۔ اسی دور میں ہمایوں نے دیکھا کہ طہماسپ شاہ ایک درویش باخدا فخرِ سادات سید نظام الدین شاہ کا بہت ادب کرتا ہے تو اس نے ان کی وساطت سے طہماسب شاہ سے کہا کہ فوج کے ساتھ مجھے ہندوستان بھیجئے تاکہ میں پھر سے ہندوستان کی حکومت حاصل کر سکوں لیکن میرے ساتھ سید نظام الدین شاہ کو بھی بغرضِ تبلیغ ضرور بھیجئے۔ شاہِ ایران نے بات مان لی۔ بڑا لشکر آپ کے ہمراہ کیا اور سید صاحب بھی ہندوستان آ گئے۔ ہمایوں نے تخت و تاج کے حصول کے بعد سید صاحب کی بے پناہ قدر و منزلت کی مگر آپ نے درباری آؤ بھگت کے بجائے کسی دور دراز کے گاؤں کو ترجیح دی جہاں آپ سکونِ قلب سے خدا کی عبادت کر سکیں۔ ہمایوں کے بیٹے اکبر اعظم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور پسرور اور نارووال کے درمیان کئی دیہات آپ کی ملکیت میں دیے۔ ان میں سے فقط علی پور سیّداں کو ان اقطابِ والا قدر کی بدولت صرف اس علاقے میں ہی نہیں بلکہ برصغیر پاک و ہند میں غیر معمولی قدر و منزلت اور شہرت اور ملک گیر پذیرائی عطا ہوئی۔

زمانہ سفر کرتا رہا۔ حتّٰی کہ سرکار ثانی لاثانی سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دور آ گیا۔ سرکار لاثانی کے تین صاحبزادے تھے جو آپ کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے۔ بڑے صاحبزادے سیدنا فدا حسین شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادوں میں سیدنا علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سیدنا علی اصغر شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ اور سید نا رضی قطب شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت نام پیدا کیا۔ سیدنا علی اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سرکار لاثانی کی جانشینی کا شرف بھی حاصل ہے۔ (سیدنا عطا اکبر کے صاحبزادوں میں سید محمد افضل حسین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ، سید محمد فیاض حسین شاہ اور سید محمد اسلم شاہ خاص طور سے اہمیت رکھتے ہیں۔)

ان تعارفی سطور کے بعد اب بات چلی ہے سرکار ثانی لاثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے سیدنا فدا حسین شاہ کے صاحبزادے اور سیدنا علی اکبر شاہ کے برادر خورد حضرت قبلہ سید علی اصغر شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کہ جنہیں اپنے والد محترم کے حکم کی تعمیل میں بریلی شریف میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت عطا ہوئی۔

راقم (پروفیسر محمد اکرم رضا) عرصۂ بیس سال سے آستانۂ عالیہ لاثانیہ اکبریہ علی پور سیّداں میں بغرضِ زیارت اور بسلسلۂ تقریر و خطابت ایک ایک سال میں کئی کئی مرتبہ حاضری دیتا رہا ہے۔ ہر مرتبہ دو دو راتیں گزر جاتیں۔ اب وہ لحاتِ قدسیہ یاد آتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔ حضرت سید محمد افضل شاہ جماعتی اکبری، حضرت سید فیاض حسین شاہ جماعتی اکبری، حضرت قبلہ سید علی اصغر شاہ جماعتی اکبری رحمھم اللہ کی رحمتیں، عنایات، مدارات اور کرم فرمائیاں میری یادوں کا حصہ ہیں۔ نامور شاعر اور تاریخ گو حضرت سید قطب رضی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفقتیں الگ سے میرے دبستانِ فکر کو مہکا رہی ہیں جو پیری مریدی کی طرف تو نہ آئے مگر تعلیم و تدریس کو جزوِ زندگی بنا کر تدریس، شاعری اور تصوف سے بیک وقت تعلق جاری رکھا۔ اور

میں وہ لمحے نہیں بھول سکتا کہ ایک شب جب کہ عرس کی تقریبات زوروں پر تھیں تو آپ تشریف لائے۔ تمام اکابر احتراماً کھڑے ہو گئے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ''فقط آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ صبح کا ناشتہ میرے ہاں کیجیے گا۔'' پھر صبح کا ناشتہ تو ملنا ہی تھا اس کے ساتھ علی پور سیّداں کے اکابر، ان کے کارناموں اور شعر و ادب کے حوالے سے جو کچھ عطا ہوا، وہ اپنی جگہ سے الگ سیر حاصل داستان ہے۔

۱۹۴۸ء میں حسب سابق علی پور سیّداں کی نور آفریں فضاؤں میں حاضر ہوا تو ارادہ کیا کہ حضرت قبلہ پیر سید علی اصغر شاہ جماعتی اکبری سے بریلی شریف کے حوالے سے انٹرویو کیا جائے۔ کیونکہ ہم نے مدت سے سن رکھا تھا کہ آپ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف کے فارغ التحصیل ہیں۔ ایک داستانِ شوق سننے کا تصور دل میں مچل رہا تھا۔ میرے ہمراہ مولانا غلام نبی جماعتی مہتمم مدرسۂ عطاء العلوم گئے فوراً چلے تو آپ کی خدمت میں ہدیۂ نیاز بجا لائے، عشق و عقیدت کے آداب سے گزرنے کے بعد عرض کیا حضور میرا نام پروفیسر محمد اکرم رضا ہے۔ نام سن کر فرمایا یہ نام میں نے مدت سے سن رکھا ہے اور آپ کی تحریریں بھی پڑھتا ہوں۔ آپ کے داماد اور جانشین سید محمد اسلم جماعتی مسلسل ہم خاک نشینوں کی تواضع میں مصروف تھے۔ اب انٹرویو کا آغاز ہوتا ہے:

......(محمد اکرم رضا): شاہ صاحب! عمر عزیز کا بھی حساب بتائیے کہ اندازہ ہو سکے آپ کب بریلی تشریف لے گئے تھے؟

☆(سید علی اصغر شاہ): تاریخِ پیدائش کی بات چھوڑیں۔ میں نے تیسری جماعت تک اپنے علاقہ میں ہی تعلیم حاصل کی۔ مگر میں روحانی خانوادے کا رکن تھا۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ یہ تعلیم فقط وقت گزارنے والی بات اور سعی لاحاصل ہے۔ میری عمر کے بارے میں اندازہ لگا لیجیے کہ جب میں نے تیسری جماعت میں تعلیم چھوڑی تو چھ

سال کا تھا۔ جارج پنجم اس وقت تخت نشین ہوا تھا۔ اس کے بہی خواہوں نے سارے ملک میں لڈو تقسیم کیے تھے اور شہر اور قصبے میں روشنی کا بھرپور اہتمام کیا گیا تھا۔ میرے والد گرامی حضرت پیر سید فدا حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ میرے اسکول میں تشریف لائے۔ جو کچھ میں نے پڑھا تھا سُنا اور پھر فوراً ہی بستہ اٹھا کر اس اسکول سے رخصت ہونے کا حکم دیا۔ اگلے دن اسکول چلنے لگا تو کہا چھوڑ دو کوئی فائدہ نہیں۔ امیر ملت کے مدرسۂ نقشبندیہ میں نئے مولوی صاحب یوسف آئے تھے۔ انھوں نے پڑھانا شروع کیا اور صرف ونحو تک ان سے پڑھا۔ والد صاحب نے سنا تو پھر بھی مطمئن نہ ہوئے اور گھر لے آئے ۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ آگے کیا کروں گا کہ والد گرامی نے اچانک فرمایا: "اگر باہر بھیجوں تو چلے جاؤ گے؟" بصد احترام والد گرامی سے عرض کیا: "بسر وچشم"۔ والد محترم نے معاً فرمایا کہ فوراً تیاری کرو اور بریلی شریف پہنچ کر تعلیم مکمل کرو۔

یہ کہہ کر بریلی شریف کا پورا راستہ اور مدرسۂ عالیہ کا نقشہ سمجھا دیا۔ ساتھ ہی فرمایا: بچ کر رہنا۔ راستہ میں تمہیں گمراہ کرنے والے اور لُوٹنے والے بہت مل جائیں گے مگر کسی کی پرواہ نہ کرنا اور جامعہ منظر اسلام پہنچ کر ہی دم لینا۔ والد گرامی نے خوب زادِ راہ دیا۔ حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کہلوایا اور بریلی شریف کی جانب روانہ کر دیا۔

...... پھر کیا آپ آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔

☆ ارے کہاں بھئی۔ اعلیٰ حضرت نے شاید اسی لئے فرمایا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے

جب بریلی شریف پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ ایک سرائے میں قیام کیا۔ وہاں سے قریب ہی ایک دیوبند کا مدرسہ تھا۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ ایک لڑکا ہے جو بہت دور سے آیا ہے۔ یقیناً طالب علم ہے، اسے اپنا بنالو۔ چنانچہ وہ رات کو ہی مجھے علمی بلندیوں اور تعلیم وتدریس کے سہانے خواب سنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ جب میں نے کہا کہ امام احمد رضا خاں کا مدرسہ یہی ہے؟ تو کہا بالکل یہی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ باتیں تو دلکش کرتے ہیں مگر علمی روحانیت کی خوشبو محسوس نہیں ہوتی۔ میں نے پھر اعلیٰ حضرت کا نام لیا تو ہکلانے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ غلط ہاتھوں میں آ پھنسا ہوں۔ میں نے صبح کو اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک کپڑا فروش کی دوکان نظر آئی جس کا نام ذکاء اللہ تھا۔ وہ حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا انتہائی نیاز مند تھا۔ اس نے کہا کہ شاہ صاحب سامان رہنے دو اور خاموشی سے نکل چلو ورنہ سامان کے نام پر تمہیں پردیسی جان کر جھگڑا کریں گے۔ چنانچہ میں نے سامان وہیں رکھا، نکلنے لگا تو انہوں نے دیکھ لیا۔ پوچھا کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا میں مولانا احمد رضا خاں کے مدرسے میں پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا صاحبزادے وہ تو دیوبندی ہیں، اُن کے پاس کیوں جاتے ہو۔ میں بھی سیدزادہ تھا۔ ذکاء اللہ کپڑا فروش بھی میرے ساتھ تھا۔ میں نے اور میرے دوست نے خدا کا نام لے کر تمام سامان اور ڈبے وغیرہ اٹھائے اور للکار کر کہا روک سکتے ہو تو روک لو۔ وہ میرے تعاقب میں نکلے۔ سامنے سے ایک تانگا آرہا تھا ہم نے اسے آواز دے کر کہا ہماری مدد کرو اور مولانا احمد رضا خاں کے مدرسے میں پہنچادو۔ وہ بھی اعلیٰ حضرت کا نیاز مند تھا۔ اس نے کہا کہ میں بھی ادھر کو جارہا ہوں۔ اِدھر ہم تانگے پر بیٹھے اُدھر اس نے گھوڑا دوڑایا اور تھوڑی ہی دیر میں ہم محلہ سوداگراں میں واقع جامعہ منظر اسلام بریلی کی ایمان افروز فضاؤں میں پہنچ گئے۔

...... شاہ جی! یہ تو کمال کی دلیری واستقامت کی داستان سنائی آپ نے۔ کہاں علی پور سیّداں شریف اور کہاں بریلی شریف جب کہ آپ اکیلے تھے لیکن آپ کی قوت ایمانی آپ کو منزل مقصود تک لے آئی۔ جب آپ مدرسۂ منظر اسلام پہنچے تو حضرت فاضل بریلوی سے

ملاقات ہوئی؟

☆ ارے بھئی کہاں؟ ان دنوں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علاج اور تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے نینی تال گئے ہوئے تھے ۔مدرسہ والوں نے میرا بڑا احترام کیا۔ مجھ سے کسی قسم کی غیریت اور اجنبیت کا برتاؤ نہ کیا گیا۔ بلکہ مدرسہ کے مدرسین نے کہا کہ اب آ گئے ہو تو داخلہ لے لو تا کہ جلد از جلد تمہاری تدریس کا اہتمام ہو سکے۔ میں نے مسکرا کر کہا، حضرت اب ایسی بھی کیا جلدی۔ اپنوں کے درمیان آ گیا ہوں۔ جب اعلیٰ حضرت آئیں گے تو ان کی زیارت کروں گا، دل کو شاد کام کروں گا اور پھر داخلہ بھی لے لوں گا۔ پہلے زیارت تو ہو لینے دو۔ جملہ مدرسین میرا اصرار اور شوق دیکھ کر چپ ہوئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ زیارت میں دیر ہو رہی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے منتظمین سے کہا میں زیارت میں تاخیر نہیں کر سکتا۔ میں تو نینی تال جا رہا ہوں ۔آپ نے کچھ بھیجنا ہے تو بھیج دیں۔ انہوں نے آپ کے لئے کچھ دوائیاں میرے ہمراہ کر دیں اور مجھے نینی تال کے لئے روانہ کر دیا۔

...... سبحان اللہ! شاہ صاحب، شوقِ زیارت ہو تو ایسا ہو کہ پل بھر چین ہی نہیں لینے دیتا۔ پھر آپ نینی تال پہنچ گئے ۔اور جب پہنچے تو اپنے ممدوح فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کیسا اور کس حال میں پایا؟

☆ میں جب پہنچا تو ایسا لگا جیسے دل کی بے قراری کو قرار آ گیا ہو۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت کافی حد تک رُوبصحت تھے۔ آپ کا وجود دبلا پتلا تھا۔ میں نے آپ کا حال احوال بڑے ادب سے پوچھا تو آپ نے میرا نام دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا علی اصغر۔ آپ اچانک چونک اٹھے اور فرمایا سیّد معلوم ہوتے ہو۔ ماشاء اللہ! میں فوراً سمجھ گیا کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ سیّد ہونے کا اقرار کر لیا۔ آپ نے فوراً دو آدمیوں کو اشارا کیا کہ مجھے کھڑا کرو۔ انہوں نے کھڑا کیا۔ آپ نے فوراً میری پیشانی چوم لی۔ خدا کی قسم! آج بھی جبکہ میں بڑھاپے کی منزل کے بہت سے مرحلے طے کر چکا ہوں تو اب بھی مجھے پیشانی پر اس مقام پر خنکی کا احساس ہوتا ہے جہاں آپ نے بوسہ لیا تھا۔

...... حضور اعلیٰ حضرت سادات سے غیر معمولی محبت کا رشتہ رکھتے تھے۔ ایک مثال تو آپ دے چکے، مزید ارشاد فرمائیے:

☆ آپ کی سادات سے محبت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ تو آپ، آپ کے صاحبزادگان والا تبار بھی اس معاملہ میں آپ کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ ایک بار ایک سید آ گئے۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس۔ آپ نے اس کے بوٹ چومے کہ شرم کھا کر شریعتِ رسول کا احترام کرے۔ مگر اس کندہ ناتراش کو بالکل شرم نہ آئی۔ مجھے ناراضگی محسوس ہوئی۔ میں نے ادب سے سر جھکا کر کہا آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا، مجھے اس سے کیا، میں نے تو آقا و مولا ﷺ کا رشتہ اور تعلق دیکھا ہے۔ آپ کا سارا خاندان ہی سادات کی عزت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ خاندانِ رضویہ کی مستوراتِ عالیہ سادات عورتوں کے احترام میں کسی سے کم نہ تھیں۔ یہی جی چاہتا تھا کہ ساری کائنات ہی سادات کے قدموں میں نچھاور کر دی جائے۔

...... اپنے زمانۂ طالب علمی کی طرف لوٹیے۔

☆ جب میں گھر سے چلا تھا تو ابا جان سے عرض کیا کہ تعارفی رقعہ بھی دیدیجیے گا۔ فرمایا، وہاں تعارفی رقعہ کی کیا ضرورت ہے۔ ارے بھائی! خوشبو خود اپنا تعارف آپ ہوتی ہے۔ تم میں کمال ہوگا تو خود بخود پہچانے جاؤ گے اور پھر تم مخدوم بن کر نہیں جا رہے، طالب علم بن کر جا رہے ہو۔ مگر حیرت ہے کہ کسی رقعہ اور تعارف کے بغیر حضور اعلیٰ حضرت نے یوں پہچانا جیسے خفیہ وائرلیس اپنا کام کر رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت مجھے نینی تال سے ساتھ لائے اور فرمایا،

اب جا کر داخل ہو جاؤ۔ داخل ہو گیا۔ وہاں اتنی محبت ملی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں اپنا گھر بار، وطن اور پنجاب بھول ہو گیا۔ چھٹیاں ہوئیں تو دس/ بارہ دن وہیں گزارے اور پھر حضور کے اصرار پر چند یوم کے لیے گھر آیا۔ ان دنوں حضرت حبیب الرحمٰن، حضرت سعید اشرف اور شرف کچھوچھہ اہلِ سادات سے موجود تھے۔ مجھے چوبارہ میں جگہ ملی۔ میں نے اوپر رہنا مناسب نہیں سمجھا تو اعلیٰ حضرت نے پہلے مجھے اپنی رہائش گاہ میں رکھا۔ نئی چارپائی، بالکل ان چھوا نیا بستر عطا کیا۔ پھر میں دارالاقامۃ میں آ گیا۔ حضور اعلیٰ حضرت جب بھی دارالاقامۃ میں جاتے تو پہلے میرے کمرے میں آتے۔ اس اصول کو کبھی ترک نہیں فرمایا۔ میرے کمرے کو دیکھ کر فرماتے، تمہارا کمرہ بہت مصفّٰی اور صاف ستھرا ہے۔ آپ جب کثرت سے کام کرتے دیکھتے تو فرماتے، شام جلدی سو جایا کرو تاکہ صبح جلدی اٹھا کرو۔ اس کو معمول بنالو۔ کبھی کبھی خفیہ طور پر بھی آجاتے کہ میں سویا ہوں کہ کام کر رہا ہوں۔ میں منظرِ اسلام بریلی میں داخل ہوا۔ پہلے حجۃ الاسلام حضرت محمد حامد رضا خاں اور مفتیٔ اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اکٹھے رہتے تھے مگر جب حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تو دونوں بھائی نہایت خوش دلی کے ساتھ الگ الگ گھروں میں آ گئے۔

...... شاہ صاحب! اعلیٰ حضرت کے وصال کی بات چلی ہے تو اس حوالے سے ارشاد فرمایئے۔

☆ بیٹے! کیا بتاؤں، ایک قیامت تھی جو گزر گئی۔ تم نے کتابوں میں بہت کچھ پڑھ رکھا ہوگا۔ اب بھی بیان کرتا ہوں تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں۔ آپ بوقتِ وصال اتنے اطمینان وسکون سے مخلوقِ خدا اور رشتہ داروں کے ساتھ باتیں کرتے گئے جیسے کوئی کہیں مہمان جا رہا ہے۔ نہ موت کا غم، نہ قبر و حشر کی فکر، فقط دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی طلب اور شوقِ ملاقات۔ کمرے سے تمام تصاویر حتیٰ کہ سکے تک نکال دیے کہ ان پر شاہانِ انگلشیہ کی تصویر ہے۔ جب ہم پر قیامت ٹوٹی تو جمعہ کا دن تھا۔ مؤذن سے اذان کے لیے کہا۔ اس نے حی علی الصلاۃ کہا اور آپ کی روح اپنے محبوبِ حقیقی سے ملاقات کے شوق میں قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ جلسہ گاہ میں لے جا کر جنازہ پڑھایا گیا۔ حدِ نظر تک ہجوم ہی ہجوم، مخلوق ہی مخلوق۔ چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیے۔ بعض نے تبرک کے طور پر چارپائی کے بانسوں سے چادریں باندھ دیں مگر حدِ نظر تک پھیلا ہوا ہجوم شمار میں نہیں آتا تھا۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور مولانا حامد رضا خاں کے مکان محلہ سوداگراں کے قریب ہی آپ کے وجود کو آنسوؤں کی برسات میں قبرِ انور میں اتارا گیا۔ بس پھر کیا تھا، ایک سیلِ اشک تھا جو دنیائے اسلام کے کونے کونے سے جاری ہو گیا اور اب بھی جب آپ کی یاد آتی ہے تو فرطِ عقیدت سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

...... آپ کے اساتذہ جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے کیا۔

☆ حسنین رضا، مولانا امجد علی (صدر الشریعہ صاحب بہارِ شریعت) اور مولانا رحم علی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور اس معاملہ میں، مَیں خوش قسمت ہوں کہ مرے اور زمانے بھر کے استاذِ ذی المعظم حضرت شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے بھی شرح وقایہ کا ایک سبق بطورِ خاص پڑھایا۔ اور بعد میں بھی کبھی کبھی تشریف لے آتے یا بلا لیتے اور قیمتی نصائح اور علومِ دینیہ کے حوالے سے خصوصی طور پر نوازتے۔

...... اعلیٰ حضرت کا رہن سہن کیسا تھا؟

☆ ارے میاں، کیا بتاؤں۔ جب بھی ہم ان کے کمرے میں گئے، بہاروں اور خوشبوؤں نے استقبال کیا۔ آپ کوئی غریب تھوڑی تھے۔

اللہ نے مال اور دل سے نواز رکھا تھا۔ کبھی کسی تقریر، تحریر، تعویز یا فتویٰ کا ہدیہ قبول نہ کیا بلکہ کسی کو حاجت مند جان کر ہمیشہ خود خدمت کی۔ پیسہ لینے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ صاحب جائیداد تھے۔ جسے مقرر کرر کھے تھے۔ آپ پان کھاتے، قوام خوشبودار کہ کمرہ مہک اٹھتا۔ آپ کے تین گاؤں میں مکانات تھے۔ ایک دن میں نے اس وقت جبکہ حجۃ الاسلام حامد رضا خاں بھی موجود تھے، ازراہِ تفنن طبع کہا (پنجابی میں) کہا، کھلی مشکی اور ڈھگیا۔ (حامد میاں سے مشکی کھلی رہ گئی اور اوپر سے ڈھک گیا)۔ حضور اعلیٰ حضرت نے اس جملے کا لطف لیا۔ آپ رَسَاوَل (گنے کے رس کی کھیر) شوق سے کھاتے۔ دیہات میں جاتے تو آپ کے لیے گنے کی کھیر پکوائی جاتی۔ کوری ہنڈیا میں پکتی اور کورے پیالوں میں تقسیم ہوتی۔ آپ کا لباس ہمیشہ خوبصورت اور صاف ستھرا ہوتا۔ اگر کوئی زیادہ تعریف کرتا تو فوراً وہ لباس اسی کی نذر کرتے۔ ویسے بھی بہانے بہانے سے حق داروں میں کپڑے اور اخیاس تقسیم کرتے۔

...... شاہ صاحب! اہم ترین سوال۔ رسوائے زمانہ کتاب ''البریلویۃ'' کے مصنف احسان الٰہی ظہیر نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت آپ کے خاندان، علمی حیثیت اور شکل وصورت پر بہت بہتان باندھے ہیں۔ آپ سید زادے ہیں، زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ آپ نے تو فاضل بریلوی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان سے اور ان کے مدرسہ میں پڑھا ہے۔ شب و روز ان کی زیارت کی ہے۔ آپ کے سر پر صدیوں سے سادات کا ظلِ نور سایہ فگن ہے۔ ذرا اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کی شکل اور سراپا کے بارے میں وضاحت تو کر دیجیے۔ احسان الٰہی ظہیر تو آپ کو چیچک رو، چھوٹے قد کا اور بدوضع بتاتا ہے۔

☆ ارے میاں! جھوٹے پر لاکھوں بار لعنت۔ صدیوں سے سیّد زادہ ہوں سچ کہوں گا۔ حس نے دیکھا نہیں ہفوات بک رہا ہے اور جو سالوں ان کی مجلس میں بیٹھتا ہے وہ جو کہے گا وہی سچ ہوگا۔ خدا کی قسم حضرت فاضل بریلوی تو حسن و جمال کا پیکر تھے۔ شکل وصورت میں کمال کی دلکشی اور جاذبیت پائی جاتی تھی کہ دیکھیں تو دیکھتے ہی جائیں۔ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے۔ یہ میں شاگرد ہونے کی بنا پر ایسا نہیں کہہ رہا۔ ہم سیّد زادے ہیں، ہمیں اپنے حُسن پہ ناز ہوتا ہے۔ لیکن وہاں تو منظر ہی اور تھا۔

ع عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

گول چہرہ، سرخ اور سفید رنگت۔ ارے تم نے کوئی پٹھان بھی سانولے یا سیہ رنگت کا دیکھا ہے۔ وہاں تو چہرہ نور کا پیکر نظر آتا تھا۔ اگر چہ بڑھاپا آ گیا تھا مگر چہرے پر بدستور سرخی اور سفیدی کی آمیزش تھی۔ قد مبارک میانہ سے قدرے بلند تھا۔ درمیانہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس سے اونچا تھا۔ لباس مبارک سفید پاجامہ، سفید کرتا اور سفید شیروانی، دستار مبارک کتھئی رنگت کی۔ چہرہ کیا تھا، بہاروں کا مخزن نظر آتا تھا۔ تیار ہو کر گھر سے نکلتے تھے تو دیکھنے والوں کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔ ایک اور بات کہوں، آپ اور علامہ مولانا حامد رضا خاں کا چہرہ ایک جیسا تھا۔ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اگر چہ آپ جیسے نہ تھے مگر رنگ ان کا بھی صاف تھا۔ اور اسی زمانہ میں احساس ہوا تھا کہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں ایک روز حضور اعلیٰ حضرت کی فتویٰ نویسی کی سند سنبھالیں گے اور آنے والے دور میں ایسا ہی ہوا اور آپ مسلمہ طور پر مفتی اعظم ہند تسلیم کیے گئے۔

سید شمس الضحیٰ، حبیب الرحمٰن میرے ہم سبق تھے۔ حبیب الرحمٰن شاعر بھی تھے۔ انہوں نے مجھے بھی شاعری کی طرف متوجہ کیا اور میں بھی ان کی باتوں پر دھیان دینے لگا۔ ابتدائی دن تھے۔ کالی خانہ گلی لمبی اور تنگ تھی۔ میں وہاں چارپائی بچھالیتا۔ یہ جگہ دارالاقامہ کے

ساتھ تھی۔ بازار کو رستہ بھی ادھر سے جاتا تھا۔ ایک ریڑھا ادھر سے کھٹ کھٹ کرکے گزرتا تو میں فوراً جاگ پڑتا اور پھر نیند نہ آتی۔ ایک روز میں فکرِ سخن میں تھا تو ریڑھے والا گزرا۔ مجھے غصہ آیا اور میں نے اسے ایک چپت رسید کردی۔ اس نے صبح سویرے والا درمرتبت حضور حضرت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں شکایت کردی تو میں نے فوراً تک بندی سے کہا۔

منہ اٹھائے ہوئے سب لوگ چلے آتے ہیں
کالی خانے کو سمجھتے ہیں سڑک ہے چنگی

اس پر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ نے ڈانٹنے کے بجائے ماشاء اللہ کہا اور یہ کہہ کر دعاؤں سے نوازا کہ سیدزادے اگر کبھی طبیعت میں شاعری کی روانی آ گئی تو نعت کہنا۔ چنانچہ بعد میں اگر موقع میسر آیا تو میں نے نعت ضرور کہی مگر یہ شغل آگے نہ بڑھ سکا۔

ارے میاں، بات ہو رہی تھی محترم و مکرم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی۔ بس یہی کہوں گا

جانشیں قیس کا کوئی نہ ہوا میرے بعد
نجد کا بھی نہ بیاباں بسا میرے بعد

بریلی شریف سے ایک رسالہ "لطیفِ سخن" کے نام سے نکلتا تھا جسے مدرسہ کے طالب علم ہی نکالتے تھے۔ میں علیحدہ ہوگیا مگر میرا یہ شعر میری یادوں کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔

دم سے اصغر ہی کے تھا لطفِ سخن کا چرچا
شاعری کا نہ رہا لطف ذرا میرے بعد

وہ ماحول ہی ایسا تھا۔ فضاؤں، ہواؤں میں عشقِ رسول اللہ ﷺ بسا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے لطف و کرم سے ہر طرف نعتوں کے سرچشمے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ جسے دیکھو، وہی نعتوں کے گلاب مہکا رہا تھا۔

صاحبزادے! آپ نے شروع میں پوچھا تھا کہ حضور اعلیٰ حضرت کیسے تھے۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت صاحبزادہ اختر رضا خاں صاحب الازہری، سجادہ نشین بریلی شریف کئی مرتبہ پاکستان آچکے ہیں۔ تم نے دیکھا ہی ہوگا کہ حسن کیسے جلوہ فگن ہے۔ پر پوتا ایسا ہے تو دادا کیسا ہوگا۔

ع قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا

(اور یقین کیجیے جب میں نے حضرت قبلہ علامہ اختر رضا خاں الازہری مدظلہ العالی کا تصور کیا تو اعلیٰ حضرت کا نقشہ نگاہوں کی زینت ہوگیا۔)

...... شاہ صاحب! زمانے کا زمانہ اس تحریر پر ہمہ تن گوش ہے۔ یادوں کو آواز دیجیے، ماضی میں جھانکیے۔ جو بھی میسر آتا ہے، عہدِ حال کی زینت بنا دیجیے۔

☆ ارے صاحبزادے! میں بریلی شریف میں پانچ، چھ برس رہا۔ اعلیٰ حضرت کی وساطت سے بریلی تو بریلی، سارا ہندوستان نعت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اپنے ذوقِ نعت کی طرف اشارا کر چکا ہوں۔ حضور قبلہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا وصال میری موجودگی میں ہوا اور میں نے آپ کی وفات سے پہلے کے ایام، پھر وفات کا سانحہ، تجہیز و تکفین اور تدفین کا منظر نگاہوں سے دیکھا۔ سب کچھ کتابوں میں آ گیا ہے۔ کتنا سنو گے۔ جب وصال ہوا تو حضرت مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں، مولانا سردار علی خاں عرف ہرو میاں، صاحبزادہ حسنین رضا ابن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی سب موجود تھے۔ صاحبزادہ حسنین رضا خاں میرے استاد بھی رہے تھے۔ بھاری بھرکم مضبوط ہاتھ پاؤں، اکھاڑے میں زور کرتے۔ مجھے فرماتے، بڑے پنجابی بنتے ہو، تم بھی چلو۔ میں نے پنجابیت کی لاج رکھنے کے لیے پیچھے سے پکڑا تو چھڑا نہ سکے اور فرمانے لگے، سید میاں! تم ہاتھ ڈھیلا رکھو، آخر میں تمہارا استاد ہوں۔ (اتنا کہہ کر حضرت پیر علی اصغر شاہ بیتاب ہوگئے، رونے لگے کہ وہ بھی کیا زمانہ تھا) وقتِ وصال اعلیٰ حضرت نے فرمایا

کہ کوئی تصویر کمرے میں موجود نہیں رہنی چاہیے۔ سب سمجھ گئے کہ ڈاک کے لفافوں، خطوں اور چاندی کے سکوں کی طرف اشارا ہے جن پر فرنگی شہنشاہوں کے کٹے ہوئے سر ہوتے تھے۔ فرمایا، نوٹ سکے سب اٹھالو۔ تصویر ہوئی تو رحمت کا فرشتہ نہیں آئے گا اور میں فرشتوں کے ہجوم میں جان دینا چاہتا ہوں۔ میرے لیے یہ سعادت کیا کم ہے کہ عین وقتِ وصال میں پاس تھا۔ صرف بالکل آخری لمحات میں سب کو نکل جانے کا حکم صادر فرمایا۔ ظاہر ہے نوریوں کے درمیان خاکیوں کا کیا کام؟

...... حضور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کا طرزِ نگارش کیسا تھا؟ لکھتے کس طرح تھے؟ لکھاتے کس طرح تھے؟ اور نگارش میں رفتار کیسی ہوتی تھی؟

☆ آپ کے طرزِ نگارش کے بارے میں کیا بتاؤں۔ ایسا لگتا تھا آپ نہیں لکھ رہے۔ ہاتفِ غیبی لکھوا رہا ہے۔ آپ نے مسئلہ پوچھا تو جواب دے دیا۔ میں نے پوچھا تو جواب سے نواز دیا۔ چھ آدمیوں نے اکٹھا ہی پوچھ لیا تو جواب دیدیا۔ پوچھنے والوں کی رفتار بڑھتی گئی، مختصر مختصر جواب دیتے گئے۔ معاً خیال آیا کہ اس پر تو تفصیل کی ضرورت ہے، فوراً قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ کتنا لکھا ہے، یہ آپ ہی جانتے ہیں۔ اس قدر تیزی سے لکھتے رہے اور حوالہ جات بھی کثرت سے دیتے رہے مگر کوئی کتاب نہیں اٹھائی۔ رسالہ مکمل ہوگیا۔ حوالہ جات کے لیے کتب کی جانب رجوع کیا تو ہر حوالہ ایسے تھا جیسے انگشتری میں نگینہ جڑا ہوا ہو۔ کسی غلطی یا تساہل کی مجال ہی نہیں تھی۔ بعض اوقات عنوانات اور مضامین الگ الگ ہوتے تھے۔ چھ چھ موضوعات ہوتے تھے مگر ہر موضوع کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے۔ کئی بار ایک پر لکھنا چھوڑ دیا پھر چوتھے پر قلم اٹھایا، پھر پہلے کی باری آئی مگر ربط کہیں ٹوٹا ہی نہیں تھا۔ کئی بار ایسا ہوتا تھا کہ آپ کے تربیت یافتہ چھ چھ علمائے کرام اپنے اپنے قلم اٹھائے آپ کی جانب متوجہ ہوتے تھے۔ آپ نے سب کو علیحدہ علیحدہ لکھوانا شروع کر دیا۔ کسی لکھنے والے سے یہ نہیں پوچھا کہ تُو نے کہاں تک لکھا ہے؟ اور کیا کچھ لکھا ہے؟ بس لکھواتے چلے جا رہے ہیں۔ صاف نظر آتا تھا کہ بہ اشارۂ کتابتِ تقدیر علم و ادب اور فکر و فضیلت کی داستان رقم ہو رہی ہے۔ قرآن حکیم کا ترجمہ لکھوایا تو ایسے ہی۔ ہم خاموش بیٹھے دیکھا کیے کہ غیب سے مضامین خیال میں آ رہے ہیں اور آپ انہیں ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر دبستانِ فکر کی نذر کر رہے ہیں۔

...... شاہ صاحب! آپ اپنے حوالے سے مزید کچھ فرمانا چاہیں گے؟

☆ میں بریلی شریف جتنا عرصہ بھی رہا، حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایاتِ عالیہ سے فیض یاب ہوتا رہا۔ یہ تو میں بتا چکا ہوں کہ جب پہلی حاضری ہوئی تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ ''سیدزادے'' معلوم ہوتے ہو اور اٹھ کر میرا ماتھا چوما۔ ایک رات تو گزر گئی تھی۔ گھر سے نئی چارپائی اور نیا بستر منگوا کر دیا۔ میرے لائے ہوئے تحفے قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تحفہ قبول نہیں کرتا لیکن یہ تو سیدزادوں کی دین ہے۔ مجھے آپ نے کبھی فراموش نہ کیا۔ جب شہر میں کہیں دعوت پر جانا ہوتا تو دو گھوڑوں کی بگھی (شکرم) منگواتے۔ اس میں سوار ہوتے اور مجھے اکثر ہمراہ لے جاتے۔ پڑھائی کا سلسلہ بہت اچھا تھا۔ اساتذہ نہایت قابل اور یگانۂ روزگار تھے۔ مجال نہیں کہ کبھی کسی استاد سے کلاس کا ناغہ ہو جائے۔ طلبہ کی تعداد کافی تھی۔ اڑھائی صد کے قریب طلبہ تھے۔

جب مجھے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی تو کوشش کی کہ نمازیں علیحدہ پڑھوں اور بحمد اللہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں نمازیں الگ سے پڑھیں۔ وہاں حضور اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا ضیاء الدین قادری (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ ان کے ہاں روزانہ جشنِ عیدمیلادالنبی ﷺ کا سماں ہوتا تھا۔ روز ان کی خدمت

میں حاضری دیتا۔ میرا بریلی شریف میں پڑھنے کا سن کر اور اعلیٰ حضرت کی مجھ پر نوازشیں سن کر ان کی عنایات دو چند ہو جاتیں۔ عشق و عقیدت کی باتیں شروع ہو جاتیں۔ حاضرین کبھی کم ہوتے، کبھی زیادہ مگر آپ کی شفقتوں میں کبھی کمی نہ آتی۔ شیخ اصغر دکاندار وہاں کثرت سے آیا کرتا۔ روزانہ ہی نئے نئے نعت خواں لے کر آتا اور محفلِ نعت دیر تک جاری رہتی۔ وہ خوش بخت مسلسل سبز چائے بناتا اور حاضرین کو پلاتا رہتا۔

...... علی پور سیّداں بھی برصغیر پاک و ہند میں مرکزِ روحانیت کی حیثیت سے مشہور تھا اور بریلی شریف کی شہرتوں اور عزت کے کیا کہنے۔ آپ یہ فرمائیے ان دونوں علاقوں کے بزرگوں کے تعلقات کیسے تھے؟

☆ تعلقات غیر معمولی طور پر اچھے اور قابلِ قدر تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ویسے بھی تمام علاقوں سے باخبر رہا کرتے تھے اور علی پور سیّداں تو امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عطائے معرفت کا مرکز تھا۔ سرکار ثانی لاثانی میرے جدِ اعلیٰ تھے۔ امیر ملت تو بریلی کے جامعہ منظر اسلام میں دستار بندی بھی فرماتے رہے۔ حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم، حضرت صدر الافاضل سمیت سب سے اعلیٰ پیمانہ کے تعلقات تھے۔ حضور اعلیٰ حضرت سے بھی تعلق تھا لیکن سرکار اعلیٰ حضرت کی عمر نے وفا نہ کی۔ جانتے وہ سب کچھ تھے، اسی لیے تو مجھے پہلی دفعہ دیکھ کر ہی فرمادیا کہ ''سید زادے ہو، علی پور سیّداں سے آئے ہو''۔ جہاں تک میرے جدِ اعلیٰ پیر لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو وہ بھی بریلی شریف سے محبت رکھتے تھے۔ ان کے مریدوں میں بہت سے ایسے نامور علماء تھے جو یا تو بریلی شریف کے پڑھے تھے اور یا بریلی شریف سے فارغ التحصیل ہونے والے اساتذہ کے قائم کیے ہوئے مدرسوں کے پڑھے تھے۔ یہ بریلی شریف سے غیر معمولی محبت ہی کا توفیضان تھا کہ میرے والد گرامی حضرت قبلہ سید فدا حسین شاہ جماعتی رحمۃ اللہ علیہ نے سارا ہندوستان چھوڑ کر مجھے فقط بریلی شریف میں پڑھنے کے لیے بھیجا اور جب تحریکِ پاکستان کا سخت ترین مرحلہ آیا تو جہاں امیر ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بنارس سنی کانفرنس سمیت ہندوستان بھر میں اجتماعات کی صدارت کی۔ وہاں میرے دادا جان، والد گرامی اور بھائیوں نے اس علاقہ کے طول و عرض میں پاکستان کے پیغام کو عام کر دیا۔ اس طور علی پور سیّداں کی کوئی بات بریلی شریف کے اکابر سے اوجھل نہ تھی۔

بریلی شریف اور علی پور سیّداں شریف کی بات چل نکلی ہے تو میں اکیلا بریلی شریف میں نہیں تھا۔ مجھ سے پہلے میرے اکابر بھی بریلی شریف جایا کرتے تھے اور وہاں خوب اچھی طرح سے جان پہچان تھی۔ حضور اعلیٰ حضرت بھی آگاہ تھے اور صاحبزادگان بھی جانتے تھے۔ جب مجددِ ملت، امامِ اہلِ سنت شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو میرے والد صاحب حضرت قبلہ سید فدا حسین شاہ، سید چراغ شاہ اور مولانا غلام نبی کو لے کر حضور اعلیٰ حضرت کے چہلم شریف پر آئے۔ گھر سے رضائیاں وغیرہ لانے کا رواج نہیں تھا۔ حضرت صاحبزادہ محمد حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہم بڑی الفت اور خلوص و چاہت سے انہیں ملے۔ تمام دن گفتگو ہوتی رہی تو زنان خانے میں پیغام بھیجا کہ اتنی صاف چارپائیاں اور اتنی نئی رضائیاں ان سید زادوں کے لیے بھیجی جائیں۔ جب سب کچھ آ گیا تو حضرت مخدوم حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے تمام نئی رضائیوں پر عطر اپنے ہاتھ سے لگایا اور اپنی نگرانی میں بستر بچھوا کر انہیں آرام کرنے کے لیے کہا۔ میرے والد محترم حضرت قبلہ سید فدا حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنی اور شہزادگانِ علی پور سیّداں کی طرف سے نقد رقم، کپڑے اور دوسری چیزیں یہ کہتے ہوئے بڑے ادب سے پیش کیں کہ

''اے بادشاہ زادو! تمہارے ہاں کیا کمی ہے۔ میں جو پیش کر رہا ہوں،

حضرت پیر جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے پیش کر رہا ہوں۔ آپ قبول فرمائیں گے تو علی پور سیّداں کے سادات کے دل مہک اٹھیں گے۔''

انداز اتنا خوبصورت تھا کہ حضور مخدومی محمد حامد رضا خاں نے سب کچھ یہ کہتے ہوئے قبول کرلیا کہ

''اس کھدر پوش (سید فدا حسین شاہ) نے مجھے حیران کردیا ہے۔''

(یاد رہے کہ والد صاحب نے کھدر کا لباس زیب تن کررکھا تھا اور سرکار لاثانی بھی اسی لباس کو ترجیح دیتے تھے۔)

...... شاہ صاحب! کیا آپ نے پڑھائی کے دوران میں اور تحریکات میں حصہ لیا؟

☆ حق تو یہ ہے کہ بریلی میں تدریس کے دوران ہی ہمیں کسی نہ کسی اسلام دشمن تحریک سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ شیعیت، مرزائیت، خارجیت، دیوبندیت، خلافت، ترکِ موالات کی تحریک میں طالب علمی ہی میں اتنا شعور حاصل ہو چکا تھا کہ ہم اچھی خاصی بحث کرسکتے تھے۔ مگر چونکہ ہمارا اصل مدعا تدریس تھا، اس لیے اسی جانب پوری توجہ مرکوز رہی۔ ہم نے کئی مرتبہ مناظرہ کرنا چاہا مگر مدرسہ کے منتظمین کی طرف سے اجازت نہ ملی کہ ابھی پڑھو اور خوب پڑھو۔ پڑھائی کے بعد ہمیں کہا گیا کہ شدھی اور سنگھٹن کی طرف توجہ دیں ورنہ ہندو امرا اور پنڈت غریب غربا مسلمانوں کو اور ان مسلمانوں کو جو اسلام کی ابتدائی تعلیمات سے بھی بے خبر ہیں، غیر مسلم کرلیں گے۔ اس دور میں امیرِ ملت علی پوری نے ہندوؤں کی اس اسکیم کو ناکام بنانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ حکم کی تعمیل میں، مَیں اپنے رفقا کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوگیا۔ ہندوؤں کے لیڈر پنڈت دیانند نے کہا کہ مَیں نے خانۂ کعبہ پر ہندوازم کا جھنڈا گاڑنا ہے۔ وہ کم بخت خوف کے مارے دیہات کا رخ نہیں کرتا تھا۔ بس ان علاقوں میں گھومتا تھا جہاں ہندو سیٹھ اس پر روپیہ نچھاور کرتے تھے۔ خاص طور پر وہ راجپوتانہ اور ملحقہ علاقوں کا رُخ نہیں کرتا تھا۔ یہاں کے بہادر مسلمانوں سے اسے خوف آتا تھا۔ مفتیِ اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں کی جماعت رضائے مصطفیٰ اور امیر ملت علی پوری کی انجمن خدام الصوفیاء کے دفاتر آگرہ میں تھے اور علاقہ کو مرکز بنا کر ہم تمام متاثرہ علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ شدھی اور سنگھٹن کے فتنہ پردازوں کی سرکوبی اور احیاے اسلام کے لیے مبلغ اسلام سید غلام قطب الدین پردیسی میرے اور میرے جیسے دیگر مبلغین کے استاد تھے۔ جماعتِ رضائے مصطفیٰ، ہند، حضور اعلیٰ حضرت کی یادگار تھی اور مفتیِ اعظم اس کو خوب چلا رہے تھے۔ والد گرامی حضور سید فدا حسین شاہ علی پوری زندگی بھر اس کے لیے مسلسل چندہ بھیجتے رہے کہ ان کا نام وہاں مستقل معاونین کے طور پر لیا جاتا رہا۔ واپس آکر ایک عرصہ تک میں نے خود بھی اس سلسلے کو جاری رکھا مگر ۱۹۶۵ء کی جنگ نے بہت سے سلسلے ختم کردیے۔

ایک بار ہم موقع تاڑ کر وہاں گئے جہاں پنڈت دیانند دربار سجائے بیٹھا تھا اور ہندوازم پر لیکچر دے رہا تھا۔ تمام ہندو اور خام ایمان کے حامل مسلمان دل و جان سے اس کی خرافات سن رہے تھے۔ ہمیں اور تو کچھ نہ سوجھا، دیانند کی چارپائی الٹ دی۔ ہندو ہماری طرف لپکے۔ ہم بھی بڑا گروہ ساتھ لے کر گئے تھے۔ فوراً کملی والے آقا ﷺ کا تصور کرکے پڑھنا شروع کردیا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

سرکار کملی والے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیضِ عام یوں جاری ہوا کہ ہم کلمۂ طیبہ پڑھ رہے تھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے زمانے کا زمانہ ہمارا ہم نوا ہے۔ وہ لوگ چند ساعتوں کے بعد ہندو ہونے والے تھے، ان کے لبوں پر بھی بے اختیار کلمہ جاری ہوگیا۔ ہم بھی پڑھ رہے تھے، وہ بھی پڑھ رہے تھے اور ہندو پنڈت وہاں سے رفو چکر ہو چکے تھے۔ پھر مسلمان امرا اور فیاض شخصیات نے ان غریب مسلمانوں کی امداد کی

کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں اور پھر کوئی ہندو انہیں گمراہ نہ کر سکے۔ آہستہ آہستہ یہ مساعی رنگ لائیں اور چاروں طرف پھر سے اسلام کا بول بالا ہوگیا۔

...... بریلی شریف میں ایک اور بھی بڑے بزرگ ہوتے ہیں حضرت شاہ نیاز بریلوی۔کیا آپ کا ان کی اولاد کے ہاں آنا جانا تھا؟

☆ ہم اس عظیم شخصیت کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے۔حضور اعلیٰ حضرت سے بھی ان کی بہت تعریف سنی تھی۔ان کا فارسی اور اردو میں کلام موجود ہے اور وہ روحانی حلقوں کے علاوہ علمی وادبی حلقوں میں بھی تعظیم وتوقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ان کی اولاد سے ایک صاحبزادے بریلی شریف میں میرے کلاس فیلو تھے۔میں ان کی وساطت سے وہاں جایا کرتا تھا اور آکر اعلیٰ حضرت امام شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ سے وہاں جانے کے حوالے سے باتیں کرتا۔آپ خوش ہوتے کہ اس طرح علمی ذوق کو جلا ملتی ہے۔

...... حضرت صاحب! پیر اور مرید کا رشتہ کیا ہونا چاہیے؟

☆ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص آپ کا مرید ہے تو میں کہتا ہوں کہ مجھ سے نہیں، اس سے پوچھو۔مرید کی تو یہ حالت ہوتی ہے ؏

سپردم بتو مایۂ خویش را

اسی منزل پر پہنچ کر وہ رضائے الٰہی کا حصہ دار بن جاتا ہے اور رضائے خداوندی کے حصول میں مقصودِ بندگی ہے۔اگر کوئی شخص اپنے منہ سے مرید ہونے کے بارے میں خاموش ہوجاتا ہے تو میں بھی خاموش ہوجاتا ہوں کیونکہ پیری مریدی میں زبردستی نہیں بلکہ رضائے الٰہی کا سودا ہوتا ہے اور یہی بیعت کا مقصد ہے۔

.... ××× ....

جن دنوں حضرت سید علی اصغر خاں جامعہ منظر اسلام، بریلی میں زیرِ تعلیم تھے آپ نے اپنے بڑے بھائی سید رضی شیرازی کو اعلیٰ حضرت کے بارے میں خط لکھا:

درویش نواز محترمی!

السلام علیکم! جناب کا گرامی نامہ ملا۔حالات معلوم ہوئے۔

ذرہ ہوں، آفتاب کی توصیف کیا لکھوں۔

مفتاحِ ابوابِ ولایت، مصباحِ سبلِ ہدایت، مرکزِ دائرۂ شرافت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجددِ مائۃ حاضرہ کے حالات بیان کرنے سے میرا علم قاصر اور میرا فہم عاجز ہے۔حقیقتاً اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے مجدد تھے۔دنیا کے بھولے بھٹکے ہزاروں انسان ان کی ہدایت سے راہِ راست پر آگئے۔آپ محلہ سوداگراں میں علم کا ایک سرچشمہ جاری کر گئے جو کہ ابد الآباد تک دنیا کو سیراب کرتا رہے گا۔طلبہ کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کہ ہم لوگ گھر آتے ہوئے روتے تھے۔سادات کا جو احترام وہاں دیکھا گیا، شاید ہی اور جگہ ہو۔ان کی سخاوت کی مثال بھی کم ملے گی۔آپ کے حلقے میں بیٹھنے والے بے علم بھی علمِ دین سے واقف ہوتے تھے۔طبیعت میں بے حد استغنا تھا۔امراء سے بہت کم میل جول رکھتے تھے۔دنیا کی کوئی بات ہم نے ان کی زبان سے نہیں سنی۔ہر وقت فتاویٰ نویسی اور کتب بینی میں مصروف رہتے۔آپ کی ساری زندگی اتباعِ رسول میں گزری۔ہر ایک علم میں یگانہ تھے۔آپ کا سب گھرانہ عالم باعمل ہے۔دل میں تو بہت کچھ ہے مگر لکھنا نہیں آتا۔جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے، اس کو خود اچھی طرح لکھ دیں۔آپ ہر چیز کو اپنے اپنے ٹھکانے پر لکھ دیں۔میرے پاس بھی ٹھٹھہ سے لفافہ آیا تھا۔اس کا جواب بھی اپنے قلم سے لکھ دیں۔نظر بہت کم ہوگئی ہے۔

والسلام

فقیر علی اصغر عفی عنہ

درگارہ لاثانی علی پور سیداں

.... ××× ....

آپ ایک جید عالم دین، سخن شناس اور محقق ہونے کے علاوہ

ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے۔آپ کی ایک نعت درج ذیل ہے:

حضوری میں بچشمِ نم رہے ہیں
عجب کیفیتوں میں ہم رہے ہیں
عجب اِک بارشِ لطف و عطا تھی
کرم سرکار کے پیہم رہے ہیں
مدینہ رحمتوں کا ہے خزینہ
یہاں پر سرورِ عالم رہے ہیں
وہ دَر ہے سیدِ عالم کا جس پر
سرِ سلطانِ عالم خم رہے ہیں
دعائیں ہوگئیں مقبول ان کی
جو آنسو ترجمانِ غم رہے ہیں
میسر تھا ہمیں بھی قربِ سرکار
مگر اصغر وہ لمحے کم رہے ہیں

...... آپ کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادگان آپ پر کافی اعتماد کرتے تھے اور سید زادہ ہونے کی وجہ سے آپ کے عز و شرف میں بھی اضافہ ہوا تھا۔اس حوالہ سے کوئی خاص بات؟

☆ ارے میاں! بریلی شریف کی ہر بات ہی خاص بات تھی۔وہاں میں نے اپنی نگاہوں سے ان ہستیوں کو دیکھا کہ جن کی زیارت کے لیے نگاہیں ترستی تھیں۔اب تو لوگ ہمیں دیکھنے آتے ہیں کہ ہم نے شاہ احمد رضا خاں اور آپ کی اولاد کو دیکھا ہے۔آپ بھی تو اسی حوالے سے آئے ہیں نا۔

...... واللہ! میرا فقط یہی مقصود نہیں۔میں تو امیر ملت محدث علی پوری اور سرکار ثانی لا ثانی کے اعراس پر خطاب کے لیے سال میں کئی بار آتا ہوں۔آپ کی خدمت میں تو اتر سے حاضری دیتا ہوں۔یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ کی بریلی شریف سے نسبت بہت کچھ پوچھنے پر آمادہ کرتی ہے۔

☆ بات تو میاں ایک ہی ہے۔کیا میرا یہ اعزاز کم ہے کہ علی پور سیداں سے چلوں اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادوں کے پاس وقت گزاروں۔عام طالب علم بن کر نہیں بلکہ خاص مہمان بن کر اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔خاص مہمان بنانے والوں سے پوچھو! خدا نے ذہن رسا عطا کیا تھا اور پھر وہاں کے ماحول میں علمی تجلیات رچی بسی تھیں کہ قرآن مجید، فقہ، تصوف، صرف ونحو سمیت جدھر کا رُخ بھی کیا۔اپنے شریکِ درس دوستوں سے پہلے فارغ ہو کر اگلے درس میں شامل ہوگیا۔میں ذاتی مطالعہ بہت کرتا اور اعلیٰ حضرت نے اپنی لائبریری سے استفادہ کے لیے مجھے مکمل اجازت بخش رکھی تھی۔اعلیٰ حضرت مجدد ملت رحمۃ اللہ علیہ جب آخری ایام میں کافی ضعیف ہو چکے تھے تو مجھے اپنے پاس بٹھا کر تعویذات لکھواتے تھے۔میں تمام اساتذہ اور بزرگوں کا بے حد ادب کرتا تھا کہ

ع بے ادب محروم انداز لطفِ رب

...... ××× ......

حضرت قبلہ پیر سید علی اصغر شاہ نے قریباً چھیاسی برس عمر پائی۔آپ کچھ عرصہ علیل رہے اور ۱۹ رجنوری ۱۹۹۱ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے جن میں مشہور نعت خواں اور صوفی حافظ محمد یوسف نگینہ، خلیق قریشی (مشہور ایڈیٹر) اور بہت بڑے خطاط سید عبدالخالق بھی شامل تھے۔

آپ کے برادرِ اصغر، ممتاز شاعر اور تاریخ گو حضرت پیر سید نثار قطب رضی شاہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے وصال پر کئی تاریخیں نکالیں۔دو تواریخ درج ذیل ہیں:

شاگردِ احمد رضا گرامی عالم (۱۹۹۱ء)

تھا جو عالی دماغ جاتا رہا (۱۹۹۱ء)

امام احمد رضا اور بیانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

غلام مصطفیٰ قادری رضوی ☆

امام احمد رضا ہندوستان کے بے مثال عالم، فقیہ، مدبر، مصنف اور عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ ان کے وصفِ عشقِ مصطفیٰ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ وہ زندگی بھر محبتِ رسول میں سرشار ہو کر اپنے آقا کے گُن گاتے رہے، وہ زندگی بھر سیرتِ نبوی پر لکھتے رہے، سیرت کے متعدد گوشوں اور پہلوؤں پر لکھا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ ایک ایک عنوان پر مستقل رسالے تصنیف کیے اور تحقیق کے دریا بہا دیے۔

مبدءِ فیاض نے رسولِ کریم ﷺ کو جن بے شمار اوصاف و کمالات سے نوازا، ان میں ''وصفِ جمال و حسن'' بھی ہے جس کے تذکرے قرآن کریم، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابۂ کرام میں جگہ جگہ بیان ہوئے۔ ہر دور میں عاشقانِ مصطفیٰ نے حسن و جمالِ نبوی پر لکھا۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی اور عقیدت و محبت کا ثبوت بطریقِ احسن پیش کیا۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہٗ اسی کاروانِ عشق کے ساتھی تھے اور انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کمالاتِ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء نظم و نثر میں بیان کرتے رہے، ان کی تصانیفِ جلیلہ اور نعتیہ دیوان کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں ان کے خامۂ گلبھار نے گلہائے رنگا رنگ بکھیرے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ عشقِ رسول کے سمندر میں غرق تھے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری کیا خوب تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا اپنے محبوب دل آرا کی محبت میں ڈوبتے ہیں اور اس کے حسن دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں، جیسے آنکھیں برس رہی ہوں، جیسے سینے پھک رہے ہوں، جیسے چشمے اُبل رہے ہوں، جیسے پھوارے چل رہے ہوں، جیسے گھٹائیں چھا رہی ہوں، جیسے پھوار پڑ رہی ہو، جیسے مینہ برس رہا ہو، جیسے جھرنے چل رہے ہوں، جیسے دریا بہہ رہے ہوں، جیسے صبا چل رہی ہو، جیسے پھول کھل رہے ہوں، جیسے خوشبو مہک رہی ہو، جیسے تارے چمک رہے ہوں، جیسے کہکشاں دمک رہی ہو، جیسے آفاق پھیل رہے ہوں، جیسے دنیا سمٹ رہی ہو، جیسے زمیں سے اٹھ رہے ہوں، جیسے فضاؤں میں بلند ہو رہے ہوں، جیسے آسمانوں میں پھیل رہے ہوں، جیسے دروازے کھل رہے ہوں، جیسے ایک نئے جہاں میں جھانک رہے ہوں، جیسے قدسیوں سے باتیں کر رہے ہوں، جیسے حوروں سے سرگوشیاں کر رہے ہوں، جیسے باغِ بہشت کی سیر کر رہے ہوں، جیسے کوثر و تسنیم سے سیراب ہو رہے ہوں، جیسے سینوں میں وسعتِ کونین سما رہی ہو، جیسے جلوۂ یار کو آمنے سامنے دیکھ رہے ہوں، جیسے وہ آ رہے ہوں، جیسے وہ جا رہے ہوں، جیسے وہ مسکرا کر دل کی کلیاں کھلا رہے ہوں، جیسے ہم ان کو دیکھ دیکھ کر مر رہے ہوں، جی رہے ہوں، جیسے ان کے نور کی خیرات لوٹ رہے ہوں، جیسے ان کے کرم کی بہاریں دیکھ رہے ہوں، رضا بریلوی کے نعتیہ نغموں کی کیا بات! ایک ایک حرف چمک رہا ہے، ایک ایک لفظ دمک رہا ہے، ایک ایک مصرعہ چھک رہا ہے، ایک ایک شعر میں جہانِ معنیٰ آباد ہے۔''

(جہانِ رضا، لاہور۔ جنوری ۲۰۰۲ء ص: ۳۶ تا ۳۸)

☆ باسنی ناگور، راجستھان، انڈیا۔

امام احمد رضا نے جس محبت بھرے انداز میں جمالِ مصطفوی کا
یا اور حسنِ مصطفیٰ بیان کیا، پڑھ پڑھ کر اور سن سن کر دیدہ و دل
[illegible]دم جاتے ہیں، بھلا جس کی روح کا چین چہرۂ والضحیٰ ہو جس
[illegible]ب پر لمحہ لمحہ ذکرِ حبیبِ خدا ہو، جب وہ اپنے محبوب کے حسن و
[illegible]ن خوبیاں بیان کرے گا تو پھر کیفیت کیا ہوگی۔ سنئے وہ کیا
فرما رہے ہیں۔

حُسنِ بے داغ کے صدقے جاؤں
یوں دمکتے ہیں دمکنے والے
حُسن تیرا سا نہ دیکھا نہ سنا
کہتے ہیں، اگلے زمانے والے

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھ کر دل و نگاہ کا سرور پاتے تھے۔ جب بارگاہِ نبوت میں رخِ زیبا کی زیارت کرتے ہوں گے تو ان کی قسمت کا ستارہ کتنا بلند ہوتا ہوگا اور پھر اس نغمۂ حسنِ محمدی کو گاتے وقت ان کا اندازِ محبت کیا ہوگا۔ بلاشبہ ان کے دیدہ و دل جھوم جھوم جاتے تھے۔ اپنے انہی سرکاروں سے امام احمد رضا نے فیض پایا تھا۔ حسانِ رسول نے کہا تھا۔

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرء من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

اب شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امام احمد رضا نے جو عرض کیا وہ ملاحظہ کریں۔

لم یات نظیرک فی نظر
مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سرسو
ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اپنے آقا کے حسن و جمال، خدوخال، زلف و رخسار کی مدحت و تعریف کتنے والہانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، ملاحظہ کریں۔

سرتابقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

محبّ اپنے محبوب کی خوبیاں ہی بیان کرتا ہے، اسے اپنے محبوب کی ذات میں نقص و سقم نظر نہیں آتا۔ پھر جو محبوبِ خدا کا عاشق و محبوب ہو تو اسے کیسے گوارا ہوگا کہ کوئی ان میں نقص نکالے، ان کی صورت و سیرت پر نکتہ چینی کرے، امام احمد رضا کے عشق کی بولی تو دیکھئے۔۔۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

جس عاشقِ رسول نے بھی نثر و نظم میں سیرتِ مصطفیٰ بیان کی، وصفِ حسن و جمال کا ذکر ضرور کیا کہ یہ اہم وصف نعتِ مصطفیٰ کا خاص حصہ ہے۔

بادِ رحمت سنک سنک جائے
وادیٔ جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات حُسنِ احمد کی
غنچۂ دل چٹک چٹک جائے

حدائقِ بخشش امام احمد رضا کی نعتوں کا حسین گلدستہ ہے جس کی ہر کلی خزاں ناآشنا ہے۔ مدحت و نعت کا لازوال ارمغان ہے جس کی ہر نعت معنی آفرینی، شوکتِ الفاظ اور وفورِ عقیدت کی

بدولت آسمانِ عقیدت پر جگمگانے والے نجمِ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں جگہ جگہ جمالِ مصطفوی کے تذکرے محبت بھرے انداز میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ صرف سلامِ رضا ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' میں تو ایک ایک عضوِ رسول پر نرالے انداز میں عقیدت کے گل نچھاور کیے ہیں۔ ذرا بیانِ جمالِ مصطفیٰ کا یہ انداز دیکھئے۔

عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

شمس و قمر، سیارگانِ فلک، گل ہائے رنگا رنگ اور سبزہ زاروں کا حسن بھی کسی کے نزدیک بڑا اہم ہوتا ہے مگر عاشقِ صادق امام احمد رضا کہتے ہیں کہ یہ سب تو حسنِ مصطفوی کے پرتو ہیں۔ چاند تو خود حسنِ رسول کے سامنے پھیکا نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تو بتا دیا کہ چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں، پھر چاند کو دیکھیں تو جمالِ مصطفیٰ کے آگے چاند کی چاندنی شرما جائے۔ درحقیقت چاند تو خود نقشِ کفِ پا کو بوسہ دیتا نظر آئے گا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی راتوں میں دیکھا ہے۔ اس وقت آپ کے جسم اطہر پر سرخ جوڑا تھا۔ میں کبھی آپ کے روئے انور کو دیکھتا اور کبھی چاند کی تابانی کو۔ خدا کی قسم میرے نزدیک چاند سے زیادہ بہتر آپ معلوم ہوتے تھے۔

اب امام احمد رضا کے یہ اشعار پڑھیے:

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی جس پر ایک بار
آج تک سینۂ مہ میں ہے نشانِ سوختہ

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہوکر

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رُخ ہوا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

وصفِ رخ ان کا کیا کرتے ہیں
شرحِ والشمس و ضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں
جن کو محمود کہا کرتے ہیں

سیدنا یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پروردگارِ عالم نے وہ حسن و جمال عطا فرمایا کہ دنیا والے اس کی تاب نہ لا سکے جن کے رُخِ زیبا کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے عالمِ حیرت میں پھل کاٹنے کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ مگر سنیے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا فرماتی ہیں:

''زلیخا کی سہیلیاں اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حسین جبین کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دل کاٹ بیٹھتیں۔'' امام احمد رضا اسی واقعہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

☆☆☆

رضا تحقیقی و علمی منصوبہ.................ایک اہم گزارش

(Raza Higher Educational Research Project)

ادارے نے اعلیٰ حضرت پر پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے خواہش منداسکالرز کی رہنمائی کے لئے "رضا ہائر ایجوکیشنل ریسرچ پروجیکٹ" تیار کیا ہے جس کا ابتدائی کام اعلیٰ حضرت پر تحقیق کرنے والے بین الاقوامی اسکالرز کی تیز رفتار بڑھتی ہوئی ضروریات کو بروقت پورا کرنے کے لئے تحقیقی خاکوں (Research Plans) کی تیاری ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت مختلف عنوانات پر تقریباً ایک ہزار تحقیقی خاکوں کو مدوّن کرکے کتابی شکل میں اسکالرز کو رہنمائی کی سہولیات مہیا کرنا ہے۔اس لئے تمام اسکالرز،علماء،محققین اور پروفیسر حضرات صاحبان سے گذارش ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے ہمیں فقہ،حدیث،سیاسیات،اردو،فارسی،عربی زبان وادب اور شاعری کی خصوصیات،سوشیالوجی،جدید علوم،تعلیمی نظریات وغیرہ پر مختلف عنوانات کے حوالہ سے تحقیقی خاکے (Research Plans) ارسال فرمائیں تاکہ عالمی سطح پر یونیورسٹی کے طلباء اور اسکالرز کی رہنمائی کی جاسکے۔

اس حوالہ سے ایک منفرد ریسرچ پلان شاملِ اشاعت ہے جو محترم پروفیسر دلاور خان صاحب نے مرتب کیا ہے۔ہم ان کے ممنون ہیں اور ان کے شکریہ کے ساتھ معارف میں شائع کررہے ہیں۔ ﴿ادارہ﴾

عقیدۂ توحید کے تحفظ میں مولانا احمد رضا محدث حنفی کی خدمات کا تحقیقی جائزہ

ابتدائی صفحہ

سرورق	Title
منظوری	Acceptance
ہدیۂ تشکر	Aknowledgment
فہرستِ ابواب	List of Chapters
فہرست جداول	List of Tables

مقدمہ/تعارف

باب اول: عقیدۂ توحید کا ارتقاء مختلف نظریات کی روشنی میں

باب دوم: عقیدۂ توحید کا تصور مذاہب عالم میں

باب سوم: عقیدۂ توحید کا تصور قبل از بعثتِ نبوی

باب چہارم: عقیدۂ توحید کا تصور قرآن وحدیث کی روشنی میں

باب پنجم: عقیدۂ توحید کے تحفظ میں مسلم مفکرین کا کردار

باب ششم: مولانا احمد رضا خاں کی حیات وعلمی خدمات

باب ہفتم: عقیدۂ توحید کی تفہیم میں مولانا احمد رضا خاں کی خدمات

باب ہشتم: عقیدۂ توحید کے فروغ میں مولانا احمد رضا کی خدمات

باب نہم: عقیدۂ توحید کا دیگر مذاہب عالم سے تقابل اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب دہم: عقیدۂ توحید کا تقابل اسلامی مذاہب کے تناظر میں اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب یازدہم: عقیدۂ توحید کے تحفظ میں مولانا احمد رضا کی خدمات

باب دوازدہم: عقیدۂ توحید کی تفہیم کے اثرات اور مولانا احمد رضا کی خدمات

باب سیزدہم: خلاصۂ تحقیق، نتائج، سفارشات، کتابیات اور ضمیمہ جات

معارفِ کتب۔ ختمِ نبوت کا انسائیکلوپیڈیا

﴿مبصر: صاحبزادہ علامہ محبّ اللہ نوری صاحب﴾

ادارہ تحفیظ العقائد الاسلامیہ کراچی کی جانب سے ختم نبوت کے حوالے سے ایک عظیم وضخیم انسائیکلوپیڈیا کی صورت میں گراں قدر تحفہ موصول ہوا جسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی، دل باغ باغ اور روح سرشار ہوگئی۔

انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی نے اولاً عیسائیوں کے خلاف مناظرِ اسلام کا روپ دھارا پھر مصلح اور مجدد بن بیٹھا، بعد ازاں نبوت کا دعویٰ کردیا۔ اس دجال وکذاب کی خرافات کے رد میں سب سے پہلے اہلسنّت و جماعت کے علماء نے قلم اٹھایا، جبکہ علماء اہلِ حدیث اور علماء دیوبند مصلحت کا شکار رہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی تو اسے مصلح اور بزرگ قرار دیتے ہوئے، اس کی ہفوات کو قابلِ تاویل گردانتے رہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی نے تحذیرالناس میں آیت مبارکہ﴿وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾کی تاویل کرتے ہوئے لکھا کہ ''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا'' اور یوں منکرینِ ختمِ نبوت کے لیے راہ ہموار کی۔ اکابرِ اہلسنّت نے منکرینِ ختمِ نبوت کا رد کیا تھا مگر غیروں نے یہ محاذ سنبھال لیا۔ اللہ تعالیٰ مفتی محمد امین عطاری قادری پر کروڑوں رحمتیں نچھاور فرمائے، جنہوں نے عظیم کارنامہ انجام دیتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت پر علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا یہ انسائیکلوپیڈیا مرتب فرمایا اور بھرپور جوانی ہی میں راہی ملک بقا ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اس عاشقِ ختمِ نبوت کی مغفرت فرمائے۔ سرِ دست اس انسائیکلوپیڈیا کی چھ جلدیں منظر عام پر آئی ہیں، آغاز میں فاضل مرتب کا مقدمہ ہے، جس میں منکرینِ ختمِ نبوت کی تاریخ، فتنۂ قادیانیت کا پسِ منظر، علمی وتحقیقی کاوشیں اور آئینی جدوجہد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ بعد ازاں علمائے کرام کی تصانیف کو زمانۂ تصانیف کی ترتیب، سے شاملِ اشاعت کیا ہے اور ساتھ ہی مصنفین کے حالات بھی تحریر کردیے ہیں، چنانچہ ان چھ جلدوں میں علامہ مفتی غلام دستگیر قصوری دائم الحضوری، مولانا غلام رسول نقشبندی امرتسری، مولانا قاضی فضل احمد نقشبندی لدھیانوی، اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت شاہ احمد رضا خاں محدثِ بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، علامہ محمد حیدر اللہ خاں درانی حنفی، مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھی، فاتح قادیانیت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ حنفی حیدرآباد دکن اور شیخ طریقت حضرت مولانا محمد ضیاء الدین سیال شریف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف آگئی ہیں۔

غرض یہ انسائیکلوپیڈیا ختمِ نبوت کے موضوع پر ایک عظیم دستاویز ہے۔ پروف میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں، امید کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کردی جائے گی۔ اعلیٰ کاغذ، عمدہ طباعت، خوبصورت اور مضبوط جلد، ہر جلد اوسطاً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل، ہدیہ صرف ۴۰۰ روپے علاوہ ڈاک خرچ۔

اس انسائیکلوپیڈیا ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' کے مرتب تو وصال فرماگئے ہیں، مگر ادارۂ تحفیظ عقائدِ اسلامیہ کے منتظمین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے زرِ کثیر صَرف کرکے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھاکر عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتب کتاب مفتی محمد امین مرحوم اور اس انسائیکلوپیڈیا کی تیاری سے لے کر طباعت تک مالی اور اشاعتی امور سرانجام دینے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پتا: ادارہ تحفیظ العقائد الاسلامیہ، آفس نمبر ۵، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی۔

﴿بشکریہ ماہنامہ ''نور الحبیب'' بصیر پور۔ مئی ۲۰۰۸ء﴾

خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا۔۔۔ایک جائزہ

از: ملک الظفر سہسرامی

غالب نے کہا تھا......ع

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

لیکن اہل علم کے خطوط اس ضابطے سے الگ ہٹ کر اپنی ایک علیحدہ علمی وفکری پہچان رکھتے ہیں۔ان خطوط کے ذریعے مکتوب نگاراور مکتوب الیہ کی نادیدہ جہتوں سے پردے اٹھتے ہیں،علم وفکر کے نئے نئے آفاق تلاش کیے جاتے ہیں،شعروادب کے تعلق سے پیچیدہ گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں،علم وادب کی دنیا میں "مکاتیب سرسید" "مکاتیب عبد الماجد دریا بادی"، "مکتوبات نیاز فتح پوری"،غالب کے خطوط" جیسی دستاویزی کتابوں نے پتانہیں علم و ادب کی کتنی پیچیدہ گتھیاں سلجھا ڈالیں۔خطوط میں جو برجستگی اور بے تکلفی ہوتی ہےاس سے شخصیت کے حقیقی خدوخال کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔مشہور ادیب غلام رسول مہر کی رائے ہے "شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح قطعی اور قابل اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار وخیالات اور ان عواطف ومیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہیے، جو شخصیت کے قلب ودماغ میں زندگی بھر موجزن رہے۔تحریر و نگارش کے ذخیروں میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے،جس کے متعلق وضعیت وتکلف کے اختلاط وآمیزش کی کم سے کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے، یعنی بزرگان علم وفضل اور اکابر حکمت ودانش کے خطوط ومکاتیب۔ذخیرۂ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔"

(نقوش لاہور کا مکاتیب نمبر بحوالہ خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا جلد اول ص:۴۸)

لیکن اب ٹیلی فون، موبائل جیسی نت نئی سائنسی ایجادات و اختراعات نے ان جیسے فنون لطیفہ کو دھیرے دھیرے زیرِ زمین کرنے کے لیے ماحول سازگار کردیا ہے۔چند سالوں بعد آنے والی نسلیں فن مکتوب نگاری کے آداب سے ناآشنا ہوجائیں گی۔مکتوب نگاری بذات خود ایک فن ہے،جس کی تعلیم وتربیت کا باقاعدہ نصاب تو نہیں البتہ ہر صاحب علم کے علمی وفکری مقام ومرتبے کے اعتبار سے اس کے مکتوب کی علمی حیثیت متعین ہوتی ہے۔مثلاً ایک شاعر کے خطوط سے نہ صرف یہ کہ اس کے مقام شعروادب کا پتا چلتا ہے بلکہ اس دور کے شعروسخن کے مزاج ومنہاج کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے،ایک ادیب کے خطوط ادب اور انشا پردازی کے اصول متعین کرتے ہیں۔اسی طرح ایک عالم دین اور فقیہ کے خطوط دینی مسائل کے افہام وتفہیم کی راہ میں معاون ومددگار ہوتے ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب "خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا" اسی عبقری کے نام آئے ہوئے خطوط کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے، جسے جماعت کے جواں فکر محقق ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے محنت ولگن کے ساتھ مرتب فرما کر قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہے،حروف تہجی کے اعتبار سے کتاب مرتب کی گئی ہے۔ چنانچہ جلد اول میں الف سے عین تک اور جلد دوم میں عین سے یا تک کے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔ اصل کتاب سے پہلے ۲۰ صفحات کا طویل افتتاحیہ مرتب موصوف نے تحریر فرمایا ہے، جس میں انہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے طباعت تک کے جگرسوز مرحلے کی داستان تحریر کی ہے۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، علوم شرقیہ کی معروف مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ التحصیل فاضل ہیں۔انہوں نے علوم شرقیہ کی تحصیل میں اپنی عمر کا خاصہ حصہ گزارا، اس کے بعد عصری درسگاہوں کا رخ کیا تو وہاں بھی اپنے مشرقی مزاج کی ایک گہری چھاپ چھوڑی۔ جب کہ ان دنوں معاملہ یہ ہے کہ مذہبی درسگاہ کی چہاردیواری سے نکلنے کے بعد عصری جامعات کا رخ کرنے والے فضلا میں مغربی تہذیب کا تسلط بہت جلد ہونے لگتا ہے اور وہ احساس کمتری کا

شکار ہوکر اپنی تہذیب کو خیرآباد کہتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس فطری طور پر تحقیقی ذہن وفکر کے ایک جواں سال اسکالر ہیں، ایک ایسے اسکالر جن کا خمیر سادگی، بے ریائی، عاجزی، انکساری اور عالمانہ وقار سے تیار ہوا ہے۔ استاذ کے قلم نے اگر شاگرد کے لیے معمولی انداز میں بھی تحسین ومرحبا کہا تو وہ اس کی شوکت علم کی کھلی دلیل ہے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے تحقیقی مقالے کے نگراں استاذ پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے اپنے اس ہونہار شاگرد کے جو گن گان کیے ہیں وہ مبالغہ آرائی سے یکسر خالی اور ڈاکٹر شمس کی علمی وفکری صلاحیتوں کے بے غبار آئینہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''میں نے اہل سنت کے نژاد نو میں جن لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور سمجھا ہے ان میں غلام جابر شمس علامہ اقبال کے درج ذیل شعر کے مرکزی خیال کی طرح ہیں ۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

معروف فکشن نگار اور خانقاہ برکاتیہ کے ایک روشن چراغ سید محمد اشرف قادری ڈاکٹر شمس کی فکری صلاحیتوں کے اعتراف میں رقم طراز ہیں: ''عزیز گرامی مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ہمارے علمائے کرام کی نئی پیڑھی سے تعلق رکھتے ہیں، وہ سوچنے والے ذہن، محسوس کرنے والے دل اور محنت کرنے والے ہاتھوں کے مالک ہیں۔ زمانہ طالب علمی کا ایک بڑا حصہ قلندرانہ شان کے ساتھ بسر کیا اور اس عالم درویشی میں صرف قلم کی دولت کے حریص رہے جو دینے والے نے انہیں خوب خوب عطا کیا''۔

معروف محقق پروفیسر مسعود احمد اس جواں سال نثر نگار کے تعلق سے یوں مدح سرا ہیں ''ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے پینتیس سال کی مختصر عمر میں اتنا کچھ حاصل کر لیا کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔''

ایک ایسے محقق ومفکر نے مجدد وقت، عبقری دوراں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نام آئے ہوئے مشاہیر کے منتشر خطوط کی شیرازہ بندی کی کوشش شروع کی تو ہمارے سامنے'' خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' کی ضخیم دو جلدیں زیب نگاہ ہوئیں۔

زیر تبصرہ کتاب دراصل پروفیسر مسعود احمد کی مرہون منت ہے جن کی علمی فیض بخشی نے ڈاکٹر شمس مصباحی کو تحقیق کی پرخار وادیوں سے گزرتے ہوئے اس قدر سیراب کر دیا کہ وہ احساس تنگ دامنی کے شکار ہو گئے اور انہیں اپنی تحقیق کے موضوع پر اس قدر مواد فراہم ہو گئے کہ نتیجے میں کئی کتابیں منظر عام پر آ گئیں اور مزید کئی کتابیں زیر ترتیب اشاعت کے انتظار میں ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مسعود احمد رقم طراز ہیں: ''کئی سال قبل فقیر بریلی شریف حاضر ہوا۔ وہاں ڈاکٹر سرتاج حسن رضوی کی قیام گاہ پر جہاں فقیر ٹھہرا تھا، ملاقات کے لیے چند علما تشریف لائے، علما کے ساتھ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی بھی تھے، وہ اس وقت ڈاکٹر نہ بنے تھے، ڈاکٹریٹ کے لیے عنوان زیر بحث تھا، فقیر نے تجویز پیش کی کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی مکتوب نگاری پر ڈاکٹریٹ کیا جائے۔ بظاہر محسوس ہوتا تھا کہ اس موضوع پر مواد نہ مل سکے گا۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ کیا مواد مل جائے گا؟ فقیر نے عرض کیا کہ اتنا مواد ملے گا کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔'' ایک دوسرے پیراگراف میں اس تفصیل پہ روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرما ہیں: ''غلام جابر شمس مصباحی نے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر تحقیق کی۔ ابتدا میں ان کو اندازہ نہ تھا کہ اتنا مواد مل جائے گا۔ مگر قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے، تحقیق کے بعد ہی محسوس ہوتا ہے کہ قطرے دریا بنتے جا رہے ہیں، وہ لگن کے پکے ہیں، خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں، چل پھر کر تحقیق کرتے ہیں اور تحقیق کا حق ادا کرتے ہیں، وہ ایسے فرہاد ہیں کہ کوہ کنی کے بعد شیریں کو پا لیا۔ انہوں نے مکتوب نگاری پر مقالہ ڈاکٹریٹ تو **لکھا ہی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا محدث بریلوی کے جو مطبوعہ وغیر مطبوعہ خطوط ان کو ملے ان سے کشید کر کے تقریباً اٹھارہ کتابیں بنا ڈالیں۔'' (ص: ۱۱۵)**

اس میں اگر ایک طرف فاضل محقق کا خلوص، لگن اور جذبۂ ایثار شامل

تھا اور ڈاکٹر مسعود احمد، سید وجاہت رسول قادری، پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور ان جیسے دوسرے احباب فکر کا مخلصانہ علمی تعاون راہنما رہا تو وہیں موضوع کے اعتبار سے بھی اس راہ تحقیق میں وافر سرمایہ فراہم ہوتا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب ڈاکٹر شمس کے تحقیقی مقالے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے سلسلۃ الذہب کی تابندہ کڑی ہے جسے انہوں نے دو جلدوں میں مرتب فرمایا ہے۔ ان مجموعۂ خطوط میں چھ سو خطوط شامل ہیں جو چار صد اصحاب کی جانب سے امام کی بارگاہ میں روانہ کیے گئے۔ ان میں بعض مطبوعہ اور بعض غیر مطبوعہ ہیں، مکتوبات کی خاصی تعداد فتاویٰ رضویہ قدیم و جدید سے ماخوذ ہے جب کہ ۱۲۳ خطوط ''مکتوبات علما و کلام اہل صفا'' سے مستفاد ہیں ''صحائف رضویہ و عرائض سلامیہ'' سے ۲۳ خطوط لیے گئے ہیں جو مولانا عبد السلام رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر کیے۔ ان مجموعوں میں شامل خطوط کا تعلق زیادہ تر علمی، فقہی اور شرعی سوالات سے ہے، ذاتی قسم کے خطوط میں مولانا شاہ عبد السلام رضوی جبل پوری علیہ الرحمۃ کے خطوط آتے ہیں، ان خطوط کے مطالعے سے اپنے معاصرین میں سیدی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے دور میں جو علمی و فکری مرکزیت آپ کو حاصل تھی وہ معاصر علما کو نصیب نہ ہوسکی۔ آپ کو ہم عصر علما نے جہاں بلند القاب خطاب سے یاد فرمایا وہیں مشائخ عظام نے آپ کی کلاہ افتخار میں چار چاند لگا دیے جو اس بات کا واضح اور غیر مبہم اشارہ ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو اپنے دور میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس دور میں القابات و خطابات کی یہ ارزانی بھی نہ تھی۔ اس زمانے میں ان بلند القاب سے آپ طبقۂ خواص سے یاد کیے گئے، چند القاب و خطاب سے اسے سمجھا جائے۔ ''قبلۂ کونین''، ''کعبۂ دارین''، ''فخر الافاضل''، ''صدر الاماثل''، ''افضل العلما''، ''مجمع الفضائل والفواضل''، ''مدقق دقائق شریعت''، ''محقق حقائق طریقت''، ''جامع کمالات''، ''منبع برکات''، ''سیدی''، ''سندی''، مجدد المائۃ الحاضرۃ''، ''ملک العلماء''، ''شمس الفضلاء''، ''مقتدائے اہل ایماں''، ''پیشوائے اہل ایقاں''، ''قدوۃ العلما''، ''زبدۃ الفقہا''، ''افضل العلماء''، ''اکمل الکملاء''، ''آیت من آیات اللہ''، ''برکۃ من برکات اللہ''، ''آقائے نامدار''، ''مؤید ملت طاہرہ''، ''اعلیٰ حضرت''، ''رئیس العلماء والفضلاء''، ''آفتاب آسمان شریعت'' مندرجہ القاب سے اعلیٰ حضرت کے مقام علم و فضل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر ان القاب و خطابات سے جن حضرات نے اعلیٰ حضرت کو مخاطب فرمایا وہ بھی کچھ ہمہ شما قسم کے افراد نہ تھے بلکہ اپنے اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے علم و فضل، زہد و تقویٰ، فکر و تدبر میں اپنی ایک شناخت رکھتے تھے۔ ان مکتوب نگاروں میں اگر طبقہ اعلیٰ کی نمائندگی ہے تو وہیں مشائخ عظام کی بھی شمولیت نظر آتی ہے، اگر دنیاوی مقام و مناصب سے فیض یاب حضرات شامل ہیں تو وہیں دین دار و خدا ترس افراد بھی شامل فہرست نظر آتے ہیں۔

خطوط سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علما اور مفتیان کرام فتوے تحریر کرنے کے لیے آپ سے بذریعہ مکتوب راہنمائی حاصل فرماتے جس سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے علمی تفوق اور فقہی بصیرت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتا۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس نے اپنی اس تحقیقی کاوش کا جو خلاصہ تحریر کیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ اس مجموعۂ خطوط سے برملا اظہار ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کا دائرۂ علم، علم کی ہر شاخ کو محیط تھا، عقائد کے معاملے میں جب کبھی مسلمانوں کے درمیان اضطراب کی لہر دوڑی تو عام طریقے پر رجوع امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی طرف کیا گیا۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا دائرۂ رشد و ہدایت صرف اور صرف عبادات و معاملات تک محدود نہ تھا بلکہ ان ناگفتہ بہ حالات میں مسلم امت کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر اس کی بر وقت صحیح رہنمائی کا سراغ بھی ان خطوط کی زیریں لہروں سے ملتا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے وقت اور حالات کے بطن سے جنم لینے والے ہر مسئلے میں قوم کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ چاہے اس تحریک کا شاخسانہ اپنوں سے جڑا ہوا ہو یا بیگانوں سے۔

اس معاملے میں ان کے یہاں اپنے اور بیگانے کا کوئی دوہرا پیمانہ نہ تھا- انہوں نے جہاں شاتمانِ رسول کی گوشمالی کی اور ان بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے کے جذبے سے غلط سمت سفر کے تعین پر ٹوکا تو وہیں بدعات وخرافات میں خرمستیاں لینے والی غافل قوم کو بھی صحیح اسلامی رخ پر لانے کی سعی بلیغ فرمائی- آج بھی اگر معمولات ومراسم اہل سنت میں درآئی بے اعتدالیوں کا جائزہ افکار رضا کے حوالے سے لیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ہم اغیار کے بے جا طعن وتشنیع سے خود کو محفوظ کر لیں گے بلکہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سر سے یہ الزام بھی دور ہو جائے گا کہ وہ شرک وبدعات کو فروغ دینے والے تھے-

امام احمد رضا کے مکتوب نگاروں کا تعلق صرف مساجد، مدارس اور خانقاہوں سے وابستہ حضرات تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستگی رکھنے والوں کے مابین وہ ایک منارۂ نور کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، اگر ایک طرف علماے عرب وعجم ان کی بارگاہ میں حاضر باش ہیں تو دوسری جانب سائنس داں سیاست داں اور قانوں داں حضرات بھی مکتوب نگاروں کی فہرست میں نظر آتے ہیں، جن سے اس بات کا برملا اظہار ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی ذات ہر شعبۂ علم سے شریعت کے باریک اور دقیق مسائل ہوں کہ راہِ طریقت کی اصطلاحات، معاشیات کے مسائل ہوں کہ سیاسیات، عمرانیات کا معاملہ ہو کہ اقتصادیات کا، اجتماعی زندگی کی بات ہو یا انفرادی معاملہ، شاعری کی زلف برہم ہو کہ فلسفے کا راز، علم ہیئت و ہندسہ کا مسئلہ ہو کہ ثقافت وادب کی پیچیدہ گتھیاں، ریاضی، جیومیٹری، الجبرا جیسے علوم سے جڑے ہوئے مسائل میں بھی لوگوں نے راہنمائی کے لیے اس ایک شخصیت کا انتخاب کیا- ان تمام کے باوجود امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز بنیادی طور پر ایک مذہبی راہنما تھے اور مسلم معاشرے کی اصلاح ان کا فرض منصبی تھا-

تاہم اس فرض کی ادائیگی کا مرحلہ طے کرتے ہوئے انہوں نے غیر اختیاری طور پر زبان وادب کو بھی مالا مال فرمایا-

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کا بہت کھل کر اظہار فرمایا ہے تاہم چند گوشوں سے احساس تشنگی ہوا- لیکن یہ احساس ایسا نہیں جو صرف مجھے ہوا بلکہ ترتیب وتہذیب کے جاں گسل مرحلے سے گزرتے ہوئے خود مصنف نے بھی کچھ انہی کیفیات کا احساس فرمایا- مثلاً مکتوب نگار میں چند افراد کا تعلق ہی مشاہیر سے ہے- باقی دوسرے مکتوب نگار کی شخصیات سے ایک قاری تقریباً غیر مانوس ہوتا ہے، اگر اس سلسلے میں مختصر نوٹ کی ضرورت تھی جس سے مکتوب نگار کی علمی وفکری حیثیت کا اندازہ ہوتا-

دوم یہ کہ خطوط کا زیادہ تر تعلق فقہی سوالات سے ہے، اب ظاہر ہے کہ اس قسم کا خط پڑھنے کے بعد احساس تشنگی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اگر اس طرح کے خطوط کے جواب کی تلخیص شامل کتاب ہو جاتی تو نہ صرف یہ کہ قاری دوران مطالعہ تشنہ کامی کا شکار نہ ہوتا بلکہ کتاب کی اہمیت وافادیت میں بھی چار چاند لگ جاتے- میرے جو احساسات ہیں وہ فاضل محقق کے بھی ہیں لیکن اس راہ سے گزرتے ہوئے وہ جن ناآسودگیوں کے شکار رہے وہ اس راہ میں رکاوٹ بنیں، وہ لکھتے ہیں ''یہ کام جس ذہنی ومعاشی آسودگی کا طالب ہے وہ فقیر بےنوا کو میسر نہیں- بس اساسی ڈھانچہ تیار ہے''-

ایک بات اور جو دوران مطالعہ محسوس کی گئی وہ یہ کہ ان دو جلدوں میں شامل خطوط کی تعداد چھ سو سے زائد ہے جنہیں تقریباً چار سو افراد نے قلم بند کیے ہیں لیکن ان چار سو افراد میں بمشکل دو درجن افراد مشاہیر کے دائرے میں آتے ہیں- ممکن ہے فاضل محقق نے کتاب کا نام تجویز کرتے وقت ان حضرات کی قدر ومنزلت کا اعتبار فرمایا ہو گو کہ کمیت کے اعتبار سے یہ کم ہیں لیکن کیفیت اور کوالیٹی کے اعتبار سے یہ باقی حضرات پہ بھاری ہیں لہٰذا انہی کا اعتبار کرتے ہوئے کتاب کا نام تجویز کیا گیا- پروف ریڈنگ کی غلطیوں نے اس خوبصورت کتاب کو جا بجا داغدار کیا ہے- تاہم توقع یہ ہے کہ دوسرا ایڈیشن اس سے زیادہ خوبصورت اور دیدہ زیب شائع ہوگا- فاضل محقق کی کاوشیں قابل قدر ہیں-

حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی آصف اشرف مدظلہ العالی کو مبارکباد

حضرت ڈاکٹر آصف اشرف جلالی پاکستان کے ذہین اور فاضل نوجوان صاحبِ تصنیف علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ تحریر وتقریر دونوں میں ان کا اپنا ایک اسلوب ہے اور نہایت سائنٹفک اور جدید حالات کے تقاضوں کے مطابق وہ لکھتے اور گفتگو کرتے ہیں جو ہمارے نوجوانوں اور اپنے اور بیگانوں دونوں کے لیے دل پذیر ہوتی ہے۔ وہ درسِ نظامی کے بہت اچھے مدرس بھی ہیں اور وہ خود ایک دارالعلوم نہایت خلوص اور لگن سے کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں جس میں درسِ نظامی کے پرانے بنیادی نصاب (بارہ سالہ) کی تعلیم کے علاوہ اسکول اور کالج کی جدید تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

اہلِ سنت و جماعت کے لیے بالعموم اور خواجہ تاشانِ رضویہ کے لیے بالخصوص یہ ایک خوش کن اطلاع ہے کہ تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت ڈاکٹر مولانا مفتی آصف اشرف جلالی مدظلہ العالی کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ کی خلافت اور اوراد و وظائف کی اجازات سے نوازا ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے تمام اراکین بالخصوص صدرِ ادارہ حضرت قبلہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری اور ادارے کے جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب کو اس عظیم منصب کے عطا کیے جانے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے ممدوح محترم کا قلم مزید قوت اور جولانی کے ساتھ مسلکِ رضا اور رضویات کی اشاعت و ترویج میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کرے گا۔

اظہارِ تشکر

محترم جناب ثناء شکور صاحب (میاں چنوں، خانیوال، پنجاب) نے بارہ ممبران کا اضافہ کر کے ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کی رکنیت سازی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ادارہ ان کا بے حد ممنون و مشکور ہے اور امید کرتا ہے کہ محترم ثناء شکور صاحب آئندہ بھی اور دیگر حضرات ''معارفِ رضا'' کی رکنیت سازی کے ذریعے فروغِ رضویات کے سفر میں ادارہ کے شانہ بشانہ چلیں گے۔

کنز الایمان صد سالہ جشن اور کنز الایمان کانفرنس ۲۰۰۹ء

''کنز الایمان'' کے صد سالہ جشن (۱۳۳۰ھ تا ۱۴۳۰ھ) کے موقع پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کی جانب سے ''کنز الایمان کانفرنس'' کا انعقاد ہو رہا ہے۔ اس موقع پر معارفِ رضا کا سالنامہ ''کنز الایمان نمبر'' ہوگا۔ اہلِ فکر و قلم حضرات کو درج شدہ عنوانات پر دعوتِ تحریر دی جا رہی ہے۔

محترم و مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہٗ

قرآن حکیم دینِ اسلام کی اصل اور سلامتی و امن کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھنے والے دنیا کے تمام انسانوں کے لیے راہِ ہدایت کا حقیقی منبع و سرچشمہ ہے۔ اس کے مفہوم و مطالب و مطلوب تک ترجمہ رہنمائی کرتا ہے۔ دنیا کے جن جن خطوں میں مسلمان آباد ہیں یا تھے، تقریباً ان تمام خطوں کی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم موجود ہیں اور مزید ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان میں دنیا کی ہر زبان سے زیادہ تراجم ہوئے ہیں اور اب بھی یہ ایک مسلسل عمل ہے۔

''کنز الایمان'' جس کا پورا تاریخی نام ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' ۱۳۳۰ھ ہے، انہی اردو تراجم میں سے ایک ہے جسے چودھویں صدی ہجری کی ایک جامع العلوم کثیر التصانیف عبقری شخصیت، فنا فی الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجددِ دین و ملت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام الاکبر محمد احمد رضا حنفی برکاتی قادری علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک عزیز اور اجل خلیفہ، صدر الشریعہ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ کو فی البدیہہ املا کرایا۔ اس اعتبار سے یہ دنیا کا انوکھا ترجمۂ قرآن ہے جو کسی لائبریری میں بیٹھے بغیر اور بلا کسی تراجم القرآن کے دیکھے، حوالہ جاتی کتب، تفاسیر، احادیث، معاجم، لغات، صرف و نحو کی کتب کے مطالعہ کے، زبانی املا کرایا گیا اور نہایت قلیل مدت میں مکمل کیا گیا ہو۔ ''کنز الایمان'' اسم بامسمہ ہے۔ اہلِ علم و نظر کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کا نام تاریخی ہی نہیں، الہامی بھی ہے۔ حضرت مترجم قدس سرہ العزیز نے علوم و معارف کے سمندر کو کوزے میں بند کر کے ایمان کی روشنی میں قرآن مجید فرقانِ حمید کا مطالعہ کرنے والے اہلِ علم و نظر حضرات کو دعوتِ فکر و تدبر کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ علماءِ حق نے اس کے بے شمار فضائل و امتیازات تحریر و تقریر میں بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ علوم و معارف کا گنجینہ اور ایمان کا خزانہ ہے۔

۲۔ تقدیسِ الوہیت و شانِ رسالت کا محافظ و نگہبان ہے۔

۳۔ عظمت و عصمتِ انبیاء کا نقیب و ترجمان ہے۔

۴۔ احادیثِ مبارکہ، آثارِ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور تابعین و تبع تابعین نیز اسلافِ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مستند تفاسیر کا عطر مجموعہ ہے۔

۵۔ اردوئے معلّٰی کی فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، شستگی اور شائستگی، اختصار و جامعیت اور زبان و بیان کی چاشنی و لطافت کا بہترین نمونہ ہے۔

۶۔ معاشیات و فلکیات، ارضیات، کیمیا و طبعیات اور دیگر جدید و قدیم سائنسی و معاشرتی علوم پر حضرتِ مترجم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کامل دسترس کی ایسی جھلکیاں ہیں کہ جس نے قرآنی مفہوم و مراد تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دی ہے۔

۷۔ لغوی اور صرفی و نحوی مباحث اور مختلف اشتقاقات کے سمجھنے کے لیے فن کی بیسیوں کتب کے مطالعہ سے مستغنی کرتا ہے۔

انہی خوبیوں کی بنیاد پر محقق کنزالایمان محسن اہلِ ایمان حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری نے بڑی دل لگتی اور ایمان افروز بات کہی ہے:

''بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح قرآنی اسرار و نکات ختم ہونے والے نہیں، جیسا کہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ''لاتنقضی عجائبہ'' (اس کے اسرار و رموز ختم ہونے والے نہیں) اسی طرح اس ترجمہ کے محاسن پر بھی جس قدر غور کیا جا رہا ہے، اسی قدر اس کے اسرار و حکم واشگاف ہوتے جا رہے ہیں۔'' (خاتمۃ الطبع مشمولہ کنزالایمان جدید نسخہ، ص:۹۹۱، مطبوعہ دہلی)

علامہ نعمانی قادری مدظلہ العالی نے بجا فرمایا۔ اس کی سب سے بیّن دلیل کراچی کے ایک عالم جلیل حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی حفظہ اللہ الباری کا ۸۰ے صفحات پر مشتمل ''الذنب فی القرآن'' کے نام سے ایک مقالہ ہے جو مکتبہ تہامہ، گلستانِ جوہر، کراچی دسمبر ۲۰۰۶ء کو کتابی صورت میں شائع ہوا ہے اور اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عرس پر فروری ۲۰۰۸ء میں رضا اکیڈمی، ممبئی، ہندوستان سے بھی وہاں کے علماء کے اصرار پر شائع ہوا ہے۔ یہ مقالہ حضرت گردیزی نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخرہ

کے ترجمۂ کنزالایمان ''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے'' کی تائید اور اس کو رد و قدح کرنے والے بعض ''محققین عصر'' کے تعاقب میں تحریر کیا ہے۔ انہوں نے دلائلِ قاہرہ سے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے جبکہ معاندین کے مؤقف کے تار و پود بکھیر دیئے ہیں۔ اردو کے تفسیری لٹریچر میں یہ کتاب بلاشبہ ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

یہ ایک نمونہ ہے کہ اگر اہلِ علم و نظر صاحبانِ تحقیق قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے کنزالایمانی ترجمہ کی خوبیوں پر لکھنا شروع کردیں تو اس جیسی ایک دو نہیں سیکڑوں کتابیں منصۂ شہود پر آسکتی ہیں۔

کنزالایمان کی انہی خوبیوں اور قرآنی ترجمہ نگاری کی تاریخ میں اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ ہماری ۲۰۰۹ء کی امام احمد رضا کانفرنس ''کنزالایمان کانفرنس'' سے معنون ہوگی اور معارفِ رضا سالانہ شمارہ کنزالایمان نمبر ہوگا۔ اس کے لیے ہم نے پیرِ طریقت حضرت علامہ سید فاروق القادری حفظہ اللہ الباری کے مشورے پر درج ذیل عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔

۱۔ قرآن مجید کے اردو تراجم میں کنزالایمان کا نمبر کونسا ہے؟
ضمنی عنوانات، اس اعتبار سے اس ترجمہ کی ضرورت، افادیت اور اہمیت۔

۲۔ کنزالایمان سے پہلے ہونے والے اردو تراجم کے ساتھ کنزالایمان کا تقابلی جائزہ۔ یہ جائزہ اردو زبان و ادب اور اسلوب اور فنی محاسن کی روشنی میں ہو۔

۳۔ کنزالایمان کے بعد ہونے والے مشہور اردو تراجم کتنا عرصہ بعد ہوئے۔ کیا ان میں مترجمین نے کنزالایمان سے آگے کوئی پیش رفت کی یا اس سے پیچھے رہے۔ بات دلائل کے ساتھ ہونی چاہئے۔

۴۔ اہلِ سنت و جماعت کے علماء نے کنزالایمان کے بعد کتنے ترجمے کیے، یہ سب تراجم کنزالایمان کے تتبع میں ہوئے یا کسی نے کوئی الگ راہ اختیار کی۔

۵۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات میں کنزالایمان میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔ اس انفرادیت کی جڑیں اور بنیادیں متقدمین میں کہاں کہاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے حوالے بالخصوص شیخ اکبر، صاحب عرائس البیان، علامہ آلوسی کی روح المعانی، روح البیان اور تفسیر کبیر سے شہادتیں۔

۶۔ اس انفرادیت میں عربی زبان و ادب، لغت اور صرف و نحو سے کتنی تائید ہوتی ہے۔ اس کی مثالیں۔

۷۔ بارگاہِ الوہیت اور بارگاہِ رسالت کے آداب کو مدنظر رکھتے ہوئے کنزالایمان کو خصوصی انفرادیت، دوسرے مکاتبِ فکر کے

مترجمین کی ٹھوکریں اور اہلسنّت و جماعت کے متواتر اور متفق علیہ عقائد کے برعکس ان کے تراجم۔

۸۔ مثالیں، نمونے۔ صرف تراجم پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ شرح عقائد، شرح مواقف اور خیالی وغیرہ سے پہلے عقائد درج کئے جائیں۔ پھر دوسرے مکاتبِ فکر کے تراجم کو اس کسوٹی پر پرکھا جائے، بعد میں کنز الایمان کا آئینہ دکھایا جائے۔

۹۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک، واستغفر لذنبک ووجدک ضالا، ایسی تمام آیات کے تراجم میں کنز الایمان کے ایمان افروز ترجے اور مخالفین کی ٹھوکروں پر سیر حاصل مقالہ۔ اس میں لغت، عربی زبان و ادب اور گرامر کو بھی مدِّ نظر رکھا جائے، اس میں اپنے پرائے کی تمیز روا نہ رکھی جائے۔

۱۰۔ کلام الملوک ملوک الکلام کے مطابق رب کائنات کے بے مثل کلام کا ترجمہ بھی ہر اعتبار سے اس کے شایانِ شان اور متن کا مظہر ہو۔ کنز الایمان کا اس اعتبار سے علمی جائزہ قرآن کی شکل، ذو معنی اور جامع آیات سے کنز الایمان کا ترجمہ کس حد تک عہدہ برآ ہوا ہے۔ نیز قرآن مجید کی معنویت، فصاحت و بلاغت اور اعجاز کس حد تک اس ترجمے میں نظر آتا ہے۔ مثالوں اور دلائل سے اس کی وضاحت کی جائے۔

۱۱۔ الفضل للمتقدم کے مطابق کنز الایمان اور اردو زبان کے اولین تراجم میں ہونے کی وجہ کس اعزاز اور توجہ کا مستحق ہے؟

مخالفین کا کنز الایمان کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کہیں اپنے تراجم کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی اسکیم تو نہیں ہے؟ کیا کنز الایمان نے کسی آیت کا کوئی ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس کی عربی زبان و ادب لغت میں سے کسی نے کوئی اشارہ نہ دیا ہو، اس کی گنجائش ان کے ہاں نہ ہو۔

ہم تمام اہلِ علم و فکر حضرات سے استدعا کرتے ہیں کہ ان عنوانات پر اپنے تحقیقی مقالات تحریر کر کے کمپوز شدہ یا بہتر ہو کہ ہمارے ای۔ میل ایڈریس imamahmadraza@gmail.com پر براہِ راست بھیج دیں۔

نوٹ: اگر کسی صاحب کے ذہن میں کنز الایمان کے حوالے سے کوئی اور عنوان یا عنوانات آتے ہوں تو براہِ مہربانی ہمیں تحریراً اطلاع دیں تا کہ ہم ان عنوانات کو بھی معارفِ رضا کے قارئین کرام تک پہنچا دیں۔

اگر کوئی صاحب مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ بھی کنز الایمان کے حوالے سے کسی اور عنوان پر لکھنا چاہتے ہیں تو وہ اس پر مقالہ لکھیں لیکن اپنے منتخب شدہ عنوان سے ہمیں تحریراً اطلاع دیدیں۔

۱۔ مقالہ کمپوز شدہ ہو، معارفِ رضا کے کم از کم ۵ صفحات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ صفحات پر مشتمل ہو۔

۲۔ زبان سنجیدہ، علمی اور تحقیقی ہو، حوالہ جات سے مزین ہو۔

۳۔ مقالہ سوقیانہ اور مناظرانہ طرز کے بجائے اعتدال اور میانہ روی کا آئینہ اور دلائل و براہین سے سنوارا ہوا ہو تا کہ کنز الایمان کی خوبیوں اور امام احمد رضا کے رسوخِ علم کا ابلاغ اپنوں اور غیروں، تمام اہلِ علم حضرات تک یکساں ممکن ہو سکے۔

۴۔ کنز الایمان کانفرنس کی متوقع تاریخ ۲۵ر فروری ۲۰۰۹ء ہے اور سالنامہ معارفِ رضا ''کنز الایمان نمبر'' کی تاریخ طباعت ۲۵ر جنوری ہے جبکہ ادارہ کے دفتر میں مقالہ جات کی وصولی کی آخری تاریخ ۲۵ر نومبر ۲۰۰۸ء متعین کی گئی ہے۔

فاضل مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے کمپوز شدہ مقالہ جات ۲۵ر نومبر ۲۰۰۸ء تک ادارہ کے پتہ پر یا براہِ راست اوپر درج شدہ ادارے کے ای۔ میل ایڈریس پر روانہ فرمادیں۔

والسلام

باحتراماتِ فراواں

آپ کا مخلص

سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ

مدیرِ اعلیٰ ''معارفِ رضا'' کراچی

کنزالایمان کے سوسالہ تقریب کے موقع سے رضا اکیڈمی کی تحریک پر سہ ماہی رضا بک ریویو پٹنہ کے

کنزالایمان نمبر کے لیے موضوعات

باب اول

تراجم قرآن: تاریخ اور فن

تراجم قرآن: فنی اسلوب واقسام

فارسی تراجم قرآن: ایک مطالعہ

اردو تراجم، بیسویں صدی سے پہلے: ایک تحقیقی جائزہ

اردو تراجم، بیسویں صدی میں: ایک تحقیقی جائزہ

باب دوم

کنزالایمان: طباعت واشاعت

کنزالایمان: کی طباعت واشاعت

کنزالایمان: کا اشاعتی سفر

کنزالایمان: کے ناشرین

کنزالایمان: پابندیوں کی داستان

باب سوم

کنزالایمان: علمی وفنی مباحث

کنزالایمان: ترجمہ کے علمی پہلو

کنزالایمان: ترجمہ کے نثری، فنی محاسن

کنزالایمان: علمی بحث کی تاریخ کا جائزہ

کنزالایمان: تحریف کی مذموم مساعی کا جائزہ

کنزالایمان: ترجمہ کے خاص سائنسی پہلو

کنزالایمان: اپنے مفسرین کی نظر میں

کنزالایمان: قلمی نسخہ اور اس کے محرک: صدرالشریعہ

کنزالایمان: معاصر تراجم سے تقابل

کنزالایمان: پیش رو تراجم سے موازنہ

کنزالایمان: بعد میں آنے والے تراجم پر اثرات

کنزالایمان: ہم عصر تراجم میں امتیازات

باب چہارم

کنزالایمان کے تعاقبات کا علمی وفنی جائزہ

کنزالایمان کے خلاف شائع ہونے والی کتابیں: ایک علمی جائزہ

اوراق صحافت میں کنزالایمان پر تعاقباتی مقالے: ایک مطالعہ

باب پنجم

کنزالایمان: لسانیاتی وصوتیاتی مطالعے

لغات القرآن: ماخوذ از کنزالایمان

کنزالایمان: اشاریہ سازی پر ایک نظر

کنزالایمان: متروکات کا جائزہ

کنزالایمان: لسانیاتی جائزہ

کنزالایمان: لسانیاتی تجزیہ کا علمی مطالعہ

کنزالایمان پر بندیلی اردو کے اثرات

کنزالایمان: صوتیاتی محاسن

باب ششم

کنزالایمان: ادبی مباحث

کنزالایمان: ترجمہ کے ادبی پہلو

کنزالایمان: اور اردو کے اسالیب نثر پر اس کے اثرات

کنزالایمان: ادبی و جمالیاتی پہلو

باب ہفتم

متفرق کتب و رسائل میں کنزالایمان کا تذکرہ

متفرق علمی کتابوں میں کنزالایمان کے تذکرے اور حوالے

کنزالایمان پر مقالے اور ان کے مقالہ نگار

کنزالایمان اور دنیائے عرب

کنزالایمان پر لکھے گئے تحقیقی جامعاتی مقالے: ایک جائزہ

کنزالایمان: کلام شعراء میں

باب ہشتم

کنزالایمان کے مختلف زبانوں میں تراجم

کنزالایمان: انگریزی ایڈیشن، ایک جائزہ

کنزالایمان: ہندی ایڈیشن، ایک جائزہ

کنزالایمان: سندھی ایڈیشن، ایک جائزہ

کنزالایمان: بنگالی ایڈیشن، ایک جائزہ

کنزالایمان: ڈچ ایڈیشن، ایک جائزہ

کنزالایمان: کیرل ایڈیشن، ایک جائزہ

باب نہم

تفسیر کنزالایمان کا علمی مطالعہ

کنزالایمان کے مفسر اول: حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی

کنزالایمان کے مفسر دوم: حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی

تفسیر کنزالایمان: اور ارض القرآن کی تحقیق

تفسیر کنزالایمان: اور تاریخ انبیاء

تفسیر کنزالایمان: اور فقہی مباحث

تفسیر کنزالایمان: اسلوبیاتی جائزہ

تفسیر کنزالایمان: اور حدیثیات کے حوالے

باب دہم

کنزالایمان کے اثرات

کنزالایمان: خلفاء و تلامذۂ اعلیٰ حضرت کی نظر میں

کنزالایمان: اور تاثرات مشاہیر

کنزالایمان: بعد میں آنے والے تراجم پر اثرات

کنزالایمان: نام کی اہمیت و مقبولیت

کنزالایمان: علماء مکہ کے مثبت رویے

اردو کے اسالیب نثر پر کنزالایمان کے اثرات

کنزالایمان: غیروں کی نظر میں

کنزالایمان: اسٹیج کی سرگرمیوں پر اثرات

باب یازدہم

نقوش نوادرات

کنزالایمان: قلمی نسخے کے سرورق

کنزالایمان: مختلف اردو نسخوں کے سرورق

کنزالایمان: مختلف تراجم کے سرورق

تفسیر کنزالایمان: قلمی نسخے کا سرورق

علمی، تحقیقی وادبی خبریں

﴿ترتیب وپیشکش: عمار ضیاء خاں قادری﴾

''امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میں عشقِ رسول کا عنصر'' کے موضوع پر ڈاکٹر آدم رضا کو شیواجی یونیورسٹی کولہاپور سے ڈاکٹریٹ کا اعزاز

۱۴؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو شیواجی یونیورسٹی کولہاپور (مہاراشٹر) نے جناب ڈاکٹر محمد آدم رضا یوسف شیخ (ایم۔اے، ڈی۔ایڈ) کو ''امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میں عشقِ رسول ﷺ کا عنصر'' کے موضوع پر مقالہ تحریر کرنے پر پی.ایچ.ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ موصوف کے نگراں ڈاکٹر غلام دستگیر (شولاپور) تھے۔ ہم اطلاع کے لیے محترم غلام مصطفیٰ خاں صاحب زید مجدہ مالیگاؤں کے شکر گزار ہیں۔

جنوری ۲۰۰۳ء میں شیواجی یونیورسٹی میں رجسٹریشن ہوا۔
۳۰؍اگست ۲۰۰۶ء کو مقالہ مکمل کر کے یونیورسٹی میں پیش کیا گیا۔
۶؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو وائیوا ہوا جس کے لیے ڈاکٹر عبد الحمید سہروردی (گلبرگہ) تشریف لائے۔ وائیوا میں ڈاکٹر آدم رضا نے تسلی بخش جوابات دیے۔ مجلس میں موجود ماہرینِ تعلیم نے موصوف کو مبارک باد پیش کی اور ۱۴؍ستمبر ۲۰۰۷ء کو یونیورسٹی نے سند عطا فرما کر ڈاکٹریٹ کا اعلان کر دیا۔

مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ رضا اکیڈمی شولاپور کی تحریک پر موصوف نے متذکر موضوع پر کام کیا۔ تحقیق اور مواد سے متعلق الحاج محمد سعید نوری اور مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں (پٹنہ) نے رہ نمائی کی۔ واضح رہے کہ موصوف مہاراشٹر سطح پر امام احمد رضا پر پی.ایچ.ڈی کا اعزاز پانے والے پہلے محقق ہیں۔

ڈاکٹر محمد آدم رضا پنڈھر پور ضلع شولاپور کے رہنے والے ہیں۔ ان دنوں ضلع پریشدار دو مدرسہ بیگم پور ضلع شولاپور میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ موصوف کو امام احمد رضا قدس سرہٗ پر ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کرنے پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی) کے صدر اور معارفِ رضا کے مدیرِ اعلیٰ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، مدیر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری و دیگر اراکینِ مجلس ادارت و مشاورت ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کرتے ہیں اور موصوف کے لیے ''امام احمد رضا گولڈ میڈل ریسرچ ایوارڈ'' دینے کا بھی اعلان کرتے ہیں۔

خطیبِ اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کا 25 واں سالانہ عرس مبارک اور عالمی یومِ خطیبِ اعظم

جماعتِ اہلِ سنّت کے بانی خطیبِ اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کا 25 واں سالانہ دو روزہ مرکزی عرس مبارک جامع مسجد گل زارِ حبیب، گلستانِ اوکاڑوی (سولجر بازار) کراچی میں حسبِ سابق ماہِ رجب کی تیسری جمعرات و جمعہ بمطابق 24-25 جولائی 2008ء کو مولانا اوکاڑوی اکادمی (العالمی) اور گل زارِ حبیب ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام والہانہ عقیدت واحترام سے منایا گیا۔ اس موقع پر کتابی سلسلہ ''الخطیب'' کا سالانہ یادگاری مجلّہ شائع ہوا۔ ملک اور بیرونِ ملک سے علما و مشائخ اور عقیدت مند حضرات وخواتین کی بڑی تعداد نے عرس مبارک کی تقریبات میں شرکت کی۔ متعدد خانقاہوں، درس گاہوں، سنّی تنظیموں اور حلقوں کی طرف سے حضرت خطیبِ اعظم علیہ الرحمہ کے مرقدِ اقدس پر چادر پوشی وگل پاشی کی گئی۔ حضرت سیدنا داتا گنج بخش اور حضرت شیر ربانی

میاں صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات سے بھیجی گئی خصوصی چادروں کو علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے بھائیوں ڈاکٹر محمد سجانی اوکاڑوی، صاحب زادہ حامد ربانی اوکاڑوی، علما و مشائخ اور عقیدت مندوں کے ہمراہ اپنے والدین کریمین علیہما الرحمۃ کے مرقد مبارک پر چڑھا کر عرس مبارک کی تقریبات کا آغاز کیا۔ چادر پوشی کے وقت نعت شریف، ذکر اسمِ الٰہی اور صلوٰۃ وسلام کا وِرد کیا گیا۔ (علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کے اعلان کے مطابق تمام اہلِ عقیدت کی طرف سے مزار شریف پر کپڑوں کی زیادہ چادریں چڑھانے کی بجائے حضرت خطیبِ اعظم کے ایصالِ ثواب کے لیے مستحق افراد کو پوشاکیں تقسیم کی گئیں)۔ عرس کے اجتماع سے پیر محمد قاسم اشرفی، مولانا حافظ اسمٰعیل ہزاروی افریقی، مولانا صوفی محمد لطیف نقش بندی، مولانا محمد اقبال چشتی، مفتی غلام یاسین طیبی، مولانا شبیر احمد اظہری، مخدوم سید اشرف جیلانی، مولانا ابرار احمد رحمانی، طارق محبوب، سید رفیق شاہ اور علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے خطاب کیا۔ اپنے خطابات میں مقررین نے کہا کہ حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اہلِ سنّت کے عظیم محسن اور ملک و ملت کے بے مثل رہ نما تھے۔ انہوں نے ملتِ اسلامیہ میں ایمانی بے داری اور فکری انقلاب بپا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو خصوصیات عطا کی تھیں وہ قابلِ رشک تھیں۔ ان جیسا خطیب صدیوں میں ظاہر ہوتا ہے جو مقبولیت انہیں حاصل تھی وہ ہر کسی کا حصہ نہیں۔ ان کی زندگی علم وعمل سے عبارت ہے انہوں نے عمر بھر رسمِ شبیری ادا کی۔ حق وصداقت پر ان کی غیر متزلزل عزیمت و استقامت کا ہر کوئی معترف ہے۔ راہِ حق میں انہوں نے اپنی اولاد اور جان و مال کی کسی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ وہ فکرِ رضا کے مبلغ اعظم اور مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت کے ایسے ترجمان تھے کہ سمتوں میں لاکھوں افراد کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کا عشقِ رسول اور دین و مسلک کے لیے ان کا مسلسل مجاہدانہ کردار ہے۔ وہ اپنے قلب ولسان میں کمال ہم آہنگی رکھتے تھے۔ صدقاتِ جاریہ کے حوالے سے ان کی خدمات اور کارہائے نمایاں ایک مثال ہیں۔ انہیں بارگاہِ رسول ﷺ میں مقبولیت حاصل تھی اور یہ اسی کا فیضان ہے کہ آج بھی ان کی تحریر وتقریر کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ اجتماع میں وطنِ عزیز کے نظریاتی اور جغرافیائی تحفظ اور اہلِ سنّت کے حقوق کے لیے قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔

اجتماع میں ایصالِ ثواب کرتے ہوئے انیس ہزار چار سو سترہ (19,417) ختماتِ قرآن کریم، 851 قرآنی پارے، 2 2 کروڑ 8 5 لاکھ 9 ہزار 1 5 (22,589,051) مرتبہ درود شریف، انتیس لاکھ بائیس ہزار تین سو تیرہ مرتبہ (29,223,13) کلمہ طیبہ، سات لاکھ چھیاسی ہزار سات سو چھیاسی (786,786) مرتبہ بسم اللہ شریف، بہتر ہزار پانچ سو اٹھارہ مرتبہ (72,518) آیت الکرسی، ایک لاکھ اڑتالیس ہزار سات سو بارہ (148,712) مرتبہ آیت کریمہ، ایک لاکھ اٹھائیس ہزار سات سو چالیس (128,740) مرتبہ مختلف قرآنی سورتیں اور بغیر شمار کے مختلف متعدد اَوراد کے وِرد اور پانچ عمروں، ایک حج اور 15 نفلی روزوں کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ دُرود شریف کے ہدیے میں مجلسِ خواتین گلِ زارِ حبیب کا حصہ نمایاں تھا۔ اختتامی دعا علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے کی۔ جمعہ 25 جولائی 2008ء کو دنیا بھر کے 43 ممالک میں عقیدت واحترام سے مساجد ومراکزِ اہل سنت میں یوم خطیب اعظم منایا گیا اور اجتماعی طور پر ایصال ثواب کے لئے فاتحہ خوانی ہوئی۔

مرکزی عرس شریف کی تقریبات میں حضرت الحاج پیر شوکت حسن خاں نوری، لاہور سے مرزا محمد ارشاد مغل، مولانا قاری محمد حفیظ، پروفیسر شیخ عقیل احمد، گوجراں والا سے جناب محمد خلیل مغل، صوفی عنایت اللہ، پاک پتن شریف سے صوفی صوبہ خاں، اوکاڑا سے الحاج شیخ محمد اکرم اور ان کے فرزند اور داماد، فیصل آباد سے الحاج شیخ محمد افضل، ملتان سے شیخ ضیاء اللہ، مفتی محمد اسلم نعیمی، مفتی غلام قمر الدین سیالوی، غلام یاسین گولڑوی، مولانا حکیم سید اشرف جیلانی، مولانا قاری عبدالرحمٰن، پیر جی محمد شفیع قادری، انجمن مجاہدین مصطفیٰ کے حافظ محمد حنیف اشرفی اور محمد اکبر نقش بندی، بزمِ فیضانِ وارثیہ کے سید عبدالماجد، سید محمد ساجد مع احباب، مولانا محمد طیب نعیمی، مولانا محمد شریف نقش بندی، قاری تاج بہادر، مولانا غلام نورانی نقش بندی، مولانا ریاض الدین قادری، مولانا اسلام الدین، الحاج توفیق احمد قائم خانی، پیر محمد اسلم رضا، الحاج شیخ محمد نعیم نقش بندی، مولانا محمد اختر علی پوری، مولانا قاری غلام علی، الحاج شیخ خالد رشید نقش بندی، جناب شیخ جاوید اقبال، شیخ محمد آفتاب، سید لقمان باپو، ڈاکٹر سید انور نیازی، الحاج اشفاق اشرفی، الحاج اکرام الدین، جناب عبدالغفار داؤد، الحاج رفیق سلیمان اور متعدد معززین نے خصوصی شرکت کی۔ انجمن نوجوانان اہل سنت اور بزمِ فیضان وارثیہ نے اپنے مراکز میں عرس شریف کی تقریبات منعقد کیں۔ روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ نوائے وقت کراچی، روزنامہ نوائے وقت لاہور، روزنامہ پاکستان لاہور، روزنامہ خبریں لاہور، روزنامہ جناح لاہور، ماہ نامہ تحفظ کراچی اور دیگر جرائد نے سالانہ عالمی یوم خطیب اعظم کے موقع پر خصوصی مضامین شائع کیے۔ تین ملکی ٹی وی چینلز نے خصوصی پروگرام پیش کیے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت خطیب اعظم کا 26 واں سالانہ عرس مبارک ماہِ رجب کی تیسری جمعرات و جمعہ 16-17 جولائی 2009ء کو منایا جائے گا۔

(رپورٹ: حمید اللہ قادری، حیدر علی قادری)

مزارِ شرفِ ملت پر سالانہ ختم شریف

شیخ الحدیث، شرفِ ملت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی علیہ الرحمۃ کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال بیت گیا۔ اس مناسبت سے ۱۸ ر شعبان المعظم بروز جمعرات بعد نمازِ مغرب آپ کے مزارِ اقدس پر سالانہ ختم شریف کی پُر وقار تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت علامہ مفتی غلام حسن قادری، مولانا محمد اسلم شہزاد، علامہ خان محمد قادری اور جانشینِ شرفِ ملت حضرت مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری نے خطاب فرمایا۔ ختم شریف، ایصالِ ثواب اور دعائے خیر پر یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

شعبان المعظم میں دینی مدارس میں تعطیلات ہوتی ہیں اور طلبہ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ حضرت شرفِ ملت کو طلبہ سے جو پیار تھا، اس کے پیشِ نظر ان کے عرس میں طلبہ کی زیادہ سے زیادہ شرکت کو ممکن بنانے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ سالانہ عرس مبارک رمضان المبارک کے بعد ان شاء اللہ ۲۵ ر اکتوبر بروز اتوار بعد نمازِ مغرب نہایت تزک و احتشام کے ساتھ آپ کے مزارِ اقدس واقع لالہ زار اسکیم رائے ونڈ روڈ، لاہور پر منعقد ہوگا۔

﴿رپورٹ: محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی﴾

اِمام اعظم ابوحنیفہ کے وہ شاگرد جو محدث وقت بنے

ڈاکٹر سیّد وسیم الدین☆

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس دور میں پروان چڑھے اس وقت علم زیادہ تر موالی واعاجم میں زیادہ پایا جاتا تھا۔ آپ نسبی فخر سے محروم تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو علم کا فخر عطا فرمایا جو نسب کے مقابلہ میں زیادہ مقدس زیادہ پھلنے پھولنے والا زیادہ پائیدار اور نام زندہ رکھنے والا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی کائناتی حقیقت بن کر ثابت ہوئی کہ اولادِ فارس علم کی حامل ہوگی۔ امام بخاری، شیرازی[۱] اور طبرانی[۲] وغیرہ نے بھی آپ کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ

ترجمہ: ''اگر علم کہکشاں تک بھی پہنچ جائے تو اہل فارس کے کچھ لوگ اسے حاصل کر کے رہیں گے۔''

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے وہ شاگرد جو محدثِ وقت بنے ان کے بارے میں چند اشارے اور جملے سپردِ قلم کر رہا ہوں جس سے اِمام ابوحنیفہ کی عظمت کا مزید پتا لگایا جا سکتا ہے۔

یحیٰ بن سعید القطان:

فن رجال کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان اعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ فنِ رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحیٰ بن سعید القطان پھر اُن کے بعد اُن کے شاگردوں میں یحیٰ بن مدین، علی بن المدین، امام احمد بن جنبل، عمرو بن علی ور ابوخیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی اور اُن کے بعد ان کے شاگردوں یعنی امام بخاری مسلم وغیرہ نے۔

حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل، علی ابن المدین وغیرہ مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نمازِ عصر سے جو اُن کے درس کا وقت تھا۔ مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔[۳] راویوں کی تحقیق وتنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ ''یحیٰ جس کو چھوڑ دیں گے ہم بھی اُس کو چھوڑ دیں گے۔[۴] امام احمد بن جنبل کا مشہور قول ہے کہ

ترجمہ: میں نے اپنی آنکھوں سے یحیٰ کا مثل نہیں دیکھا۔ اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں اکثر شریک ہوتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے۔ اس وقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے۔ خود اُن کا قول ہے کہ[۵]

ترجمہ: یعنی ہم نے امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کیے ہیں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفّاظ میں جہاں وکیع بن الجراح کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ وکیع، امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے۔ آپ ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبداللہ بن المبارک:

محدث نودی نے تہذیب الاسماء واللغات میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ''وہ امام جسکی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جس کی محبت سے مغفرت کی اُمید کی جا سکتی ہے۔''

حدیث میں جو آپ کا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے

☆ استاذ، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

ہوسکتا ہے کہ محدثین اُن کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر اُن کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ان سے خطاب کیا کہ عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ ''کیا غضب ہے عالم مشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق والمغرب [۶] ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت کے بڑے ارکان سے سینکڑوں حدیث مروی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے راویوں میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ حدیث وفقہ میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں مگر افسوس کہ آج تک اُن کا پتا نہیں ملتا۔ آپ مرد کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت میں وفات پائی۔

یحیٰی بن زکریا ابی مائدہ:

آپ معروف محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے۔ چنانچہ یحیٰی کو بھی اُنہی لوگوں میں داخل کیا ہے اور اُن کے طبقہ میں سب سے پہلے اُنہی کا نام لکھا ہے۔ علی بن المدین جو امام بخاری کے مشہور اُستاد ہیں کہا کرتے تھے کہ یحیٰی کے زمانے میں یحیٰی پر علم کا خاتمہ ہوگیا۔ [۷]

صحاح ستہ میں اُن کی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں وہ محدث وفقیہ دونوں تھے، اور ان دونوں فنون میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے۔ آپ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک اُن کے ساتھ رہے آپ تدوین فقہ میں امام ابوحنیفہ کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ وہ تیس برس تک شریک رہے۔

آپ کا وصال ۱۸۳ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں مدائن کے مقام پر ہوا۔

وکیع بن الجراح:

آپ فن حدیث کے ارکان میں شمار کیئے جاتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کو اُن کی شاگردی پر فخر تھا چنانچہ جب وہ اُن کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو اِن لفظوں سے شروع کرتے تھے۔

''یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اُن کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔'' [۸]

یحیٰی بن معین جو فنِ رجال کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں اُن کا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو وکیع پر ترجیح دوں۔ [۹] اکثر ائمہ حدیث نے ان کی شان میں اِس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر ان کی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فنِ حدیث و رجال کے متعلق ان کی روایتیں نہایت مستند خیال کی جاتی ہیں۔ آپ کا وصال ۱۹۷ھ میں ہوا۔

داؤد الطائی:

صرفیہ آپ کو بڑا مرشد کامل مانتے ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء میں ان کے مقامات عالیہ مذکور ہیں۔ فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں۔ محارب میں وقار جو معروف محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر پچھلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں اُن کا قصہ بیان کرتا۔ [۱۰]

آپ نے ابتداء میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی۔ پھر علم کلام

میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے۔ ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری۔ اس نے کہا۔ داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے۔ ان پر عجب اثر ہوا، بحث و مباحثہ و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ تاہم تحصیل علم کا مشغلہ جاری رکھا۔ ایک برس کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور تمام چیزوں سے قطع تعلق کرلیا۔ امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں۔

آپ کا شمار امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہوتا ہے۔ خطیب بغدادی، ابن خلکان علامہ ذہبی اور دیگر مؤرخین نے جہاں ان کے حالات لکھے ہیں وہاں امام ابو حنیفہ کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے تدوین فقہ میں بھی آپ امام ابو حنیفہ کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز رکن بھی تھے۔ آپ کا وصال ۱۶۰ھ میں ہوا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چند معروف شاگردوں میں قاضی ابو یوسف، زفر، اسد بن عمر، عافیہ الازدی، قاسم بن معن، علی بن مسر، حبان، سندل بھی خاصے مقبول و معروف ہوئے۔ دینِ اسلام کی نشو نما اور تدوین فقہ کے لیے امام اعظم ابو حنیفہ کی خدمات عالیہ اظہر من الشمس ہیں آپ کے شاگردوں اور تلامذہ نے بھی اس ضمن میں چراغ سے چراغ روشن کیا ہے اور ایمان کی حرارت اور روشنی کو اُجاگر کرنے میں آپ کے شاگردوں اور تلامذہ کی خدمات صدقہ جاریہ سے کم نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام کے مسلمان حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی علمی، دینی، فقہی خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاشرہ میں احیائے دین کی سرفرازی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تا کہ مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار اور عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے میں بامراد ہوسکیں۔ اور یہ بامرادی و باآوری اُس وقت ممکن ہوگی کہ ہم دین اسلام کی آبیاری کے لیے عملاً قافلۂ غلامانِ مصطفےٰ ﷺ میں شریک ہوکر اس امر کا اعادہ کریں کہ ہم امام اعظم حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے صحیح معنوں میں پیروکار اور فدائیاں ابو حنیفہ ہیں۔ کاش کے ہم جملہ حنفی مسلمان حضرت ابو حنیفہ کے وارث و جانشین ثابت ہوسکیں۔

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر۔

(ڈاکٹر اقبال)

حوالہ جات:

۱۔ ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن شیرازی متوفی ۴۰۷ھ۔
۲۔ مصنف نے یہ حصہ غالباً تبییض الصحیفہ از سیوطی سے لیا ہے۔
۳۔ فتح المغیث و جواہر معینہ۔
۴۔ تہذیب التدریب، حافظ ابن حجر ترجمہ یحیٰ بن القطان
۵۔ میزان الاعتدال، علامہ ذہبی دیباچہ۔
۶۔ تہذیب الاسماء۔
۷۔ میزان الاعتدال، علامہ ذہبی ترجمہ یحیٰ۔
۸۔ تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن الجراح۔
۹۔ تہذیب الاسماء واللغات۔
۱۰۔ میزان الاعتدال، ذہبی۔

شیخ علی حزیں کی شاعری میں ہندوستان

شبنم خاتون

شیخ علی حزیں کی ایک ہمہ گیر شخصیت تھی۔ انہوں نے فارسی میں ہی نہیں بلکہ عربی میں بھی اپنے تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے۔ صرف شعر و شاعری کے میدان کے ہی شہسوار نہیں تھے بلکہ تفسیر، فقہ، حدیث، علم طب، علم نجوم وغیرہ میں بھی آپ کا رخشِ قلم دوڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

شیخ علی حزیں جب ہندوستان آئے تو ہندوستانیوں کے بارے میں ان کی رائے کچھ اچھی نہیں تھی۔ انہوں نے یہاں کے شعرا اور فضلا پر ایرانیوں کو ترجیح دی اور ہندوستانیوں کے لیے بہت سے نازیبا خیالات کا اظہار کیا اور یہاں کے آب و ہوا کی بھی مذمت کی۔

خارش بخیال خود گل بستان است
ہر زاغ بنغمۂ بلبل دستان است
در سال چہار فصل تابستان است
حمام زمانہ مُلک ہندوستان است

یہ بات صرف یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ ہندوستانیوں کے لیے ایک ہجویہ قصیدہ بھی لکھ ڈالا جیسا کہ انہوں نے اپنے قصیدہ کے اس شعر میں آیا۔

''شناس سیرتست تمنای مردمی
در دیولاخ ہند کہ اسان نداستہ است''

یہاں تک کہ انہوں نے اپنی رباعی میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

''از نیر نجس نجات می خوا ہم وبس
غسلی مبتط و فرات می خواہم وبس
مرگی کہ بود بکام دل در نجف است
از بہر ہمیں حیات می خواہ و بس''

یہی وجہ تھی کہ ہندوستانی شعرا اور فضلا شیخ علی حزیں کے سخت مخالف ہو گئے تھے اور اس مخالفت نے ہجو کے سلسلہ کو آگے بڑھایا اور دونوں طرف سے ہجو کے تیر چلنے لگے یہاں تک کہ یہ ہجو ''تنبیہ الغافلین'' کا سبب بنی بات صرف یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ بہت سے لوگ ان سے انتقام لینے تک کو آمادہ ہو گئے تھے۔

دہلی میں سخت مخالفت کی وجہ سے حزیں نے ترک سکونت اختیار کرنا زیادہ مناسب سمجھا اس کے بعد وہ آگرہ تشریف لے گئے اور پھر بنارس آ گئے۔

حزیں نے اپنی سوانح حیات میں ہند اور اہل ہند کے لیے نازیبا خیالات کا اظہار کیا لیکن باوجود اس کے ان کا قلم یہیں پر ہی نہیں رکا بلکہ رباعیات میں بھی ہندوستانیوں سے حد درجہ نفرت کا ثبوت دیا ہے۔

اور ظلمت ہند سفلہ انگریز ترس
در تیرگی شب ای سحر خیز ترس
ہر گز پاکی زخصمی ہند مدار
نامرد نئی زحملۂ خیز ترس

ہندوستان میں ایسے ایسے صاحب کمال اور فارسی داں موجود تھے جنکی

فارسی دانی کو دیکھ کر کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کو اہلِ زبان نہ کہتا اور ان کے علم وفن کا اعتراف نہ کرتا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے ایسے علما اور فضلا کے فارسی زبان وادب کی خدمات کا اعتراف خود ایرانیوں نے بھی کیا لیکن حزیں کا وجود ہندوستانیوں کے اس علم وفضل کو ماننے سے قاصر تھا۔ ان کے نزدیک ہندوستان کی زمین سے کوئی قابلِ قدر ہستی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔

حزیں کو اپنے آبائی وطن سے بے حد لگاؤ تھا۔ وہاں کا ذرہ ذرہ ان کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اپنے محبوب وطن کی جدائی میں وہ آخر تک تڑپتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہند اور اہل ہند پر ایران اور اہلِ ایران کو ترجیح دیتے رہے اور یہ ترجیح ہندوستانیوں کے لیے ہجو کی شکل میں سامنے آئی جو اہل ہند کو برہم کرنے کے لیے کافی تھی۔ اہل ہند کے لیے ہجو لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں خود ستائی کا مادّہ زیادہ تھا اسی وجہ سے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ اس کے علاوہ ایک یہ بھی بات سامنے آتی ہے کہ شیخ علی حزیں کو ہندوستانی دربار سے وہ انعام واکرام نہیں ملے جو ایران سے ہندوستان آتے وقت ان کے ذہن میں تھے کیونکہ اس وقت مغلیہ دربار، دکن اور احمد آباد وغیرہ کے درباروں میں ایرانیوں کو خوب انعام واکرام سے نوازہ جاتا تھا۔ لیکن حزیں کے ساتھ ایسا کچھ نہ ہوا جس کی وجہ سے وہ مایوسی کے دامن میں پناہ گزیں ہوئے اور اس مایوسی نے انہیں ہجو کی شاہراہ پر گامزن کیا۔ حالانکہ ہندوستان جیسے مہمان نواز اور علم کی قدر کرنے والے ملک نے ابتداء میں تو حزیں کی بدکلامی کو نظر انداز کیا لیکن صبر کب تک ہوتا۔ اس مہمان نواز ملک نے حزیں کی بہت قدر ومنزلت کی لیکن حزیں کی شخصیت نے کبھی بھی ہندوستانیوں کی قدر دانی اور ان کی مہربانیوں کا اعتراف نہیں کیا۔ پھر بھی اہل ہند اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے حزیں کے علم وفن کی قدر کرتے رہے اور سبھی ان کے آستانہ علم وفضل سے فیضیاب ہونا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی وہ بنارس سے عظیم آباد (پٹنہ) پہنچے بھی نہ تھے کہ علم وادب کے قدیم گہوارہ میں ان کی شہرت عام ہو چکی تھی یہاں تک کہ لالہ راجا گر چند الفت حزیں کے اس قدر شیدائی تھے کہ انہوں نے حزیں کی آمد کی خوشی میں اپنے جذبات کا اظہار یوں تاریخ کی شکل میں پیش کیا۔

"تشریف آوردِ شیخ بافضل و عطا
گردید شہر نو بہاری پیدا
تاریخ مبارکی بالفت ازغیب
ہاتف فرمود مقدمِ فیض افزا"

یہ حقیقت ہے کہ ان کی آخری قیام گاہ بننے کا فخر بنارس ہی کو حاصل ہوا اور یہاں کے بعد وہ کہیں جانا نہیں چاہتے تھے۔ والیِ بنارس راجہ بلونت سنگھ کی نگاہِ خاص آپ پر تھی۔ حزیں کو بنارس اچھا لگا یا نہیں لیکن انہوں نے بنارس کے لیے یہ ضرور کہا۔

از بنارس نروم معبد عام است رہنما
ہر برہمن پسرے لچھن و رام است اینجا

لیکن یہ شعر اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ انہیں بنارس اچھا لگا اور اس لیے وہ بنارس سے جانا نہیں چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انہوں نے خواب میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ تم بنارس میں ہی قیام پذیر رہو۔ شاید یہی مجبوری رہی ہو کہ وہ بنارس چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور پھر عمر کا تقاضا بھی یہی تھا جو ایران کے سفر کی اجازت نہیں دے رہے تھا۔

حزیںؔ ایک ایسی شخصیت کے حامل تھے جن کے علم و ادب کے مخالف بھی قائل تھے۔ بنارس میں بلاتفریق مذہب و ملت سماج کے ہر طبقہ کے افراد نے ان کے خرمنِ علم کی خوشہ چینی پر فخر محسوس کیا۔

اہل ہند کے لیے حزیںؔ کی جو بھی رائے رہی ہو جو بھی ہندوستانیوں کے لیے بھلا برا سوچا ہو لیکن باوجود اس کے ان کے اشعار کو پڑھ کر بنارس کے بارے میں ان کے اچھے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناظرِ بنارس نے ان کو بہت متاثر کیا۔ گنگا کے کنارے کی سیڑھیاں، صبح بنارس کا منظر حزیںؔ کو یہ اشعار لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

''پری نعانِ بنارس بصد کرشمہ و رنگ
پئے پرستش مہدیو چو کنند آہنگ
بہ گنگ غسل کنند و بنگ پامالند
زہے شرافتِ سنگ و زہے نظافتِ گنگ

ظاہری طور پر ان اشعار کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے بنارس کی تعریف کی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس میں بھی انہوں نے اس ہندو عقیدہ کی کھلی اڑائی ہے جس نے ان کو سر آنکھ پر بٹھایا۔ حزیں نے اپنے شعر میں یہ کہنا چاہا ہے کہ جو گنگا اہل بنارس کے لیے نہایت ہی مقدس محترم اور پاک ہے اس گنگا میں وہ غسل کرتے ہیں اپنے بدن کی میل و گندگی کو چھڑاتے ہیں، اپنی نجاست دور کرتے ہیں اور جو پتھر اُن کے لیے باعثِ پرستش ہے اس کی پوجا کرتے ہیں وہی پتھر ان کو پیر رگڑنے کے لیے کام آتا ہے اور اس پتھر پر پیر رگڑ کر اپنے پیروں کی گندگیوں کو صاف کرتے ہیں۔ یعنی جو پتھر ابھی پیر رگڑ کر صاف کرنے کے کام آیا وہی پتھر ان کے نزدیک بزرگ ہو جاتا ہے۔

اس طرح حزیںؔ نے تعریف کے پردے میں بنارس والوں کے لیے برائی کا پہلو نکال لیا۔

عظیم آباد میں راجہ رام موزوںؔ و لالہ اجاگر چند الفتؔ وغیرہ نے حزیں کا نہ صرف دل سے خیر مقدم کیا بلکہ بنارس میں راجہ بلونت سنگھ سے بھی ان کو بہت عزت اور پذیرائی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے اہلِ ہند کے بارے میں ان کے خیالات میں تھوڑی سی تبدیلی آئی۔ کیونکہ حزیںؔ جیسا اپنے لیے چاہتے تھے وہ بنارس اور پٹنہ میں ملا۔ اس وجہ سے اہل ہند کے لیے ان کے ہجو کی شدت میں کمی آئی لیکن جہاں انہیں اپنی مرضی کے مطابق پذیرائی حاصل نہیں ہوئی وہیں انہوں نے ہجو کے تیر چلادیے۔

اہلِ ہند کے لیے کہے گئے حزیںؔ کے ہجویہ اشعار کو پڑھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حزیںؔ کو ہجویہ شاعری میں مہارت اہلِ ہند کی ہی دین ہے۔

حزیںؔ کے ہجویہ اشعار کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حزیںؔ کی نظر میں ہندوستانی کسی بھی طرح کی تعریف و توصیف کے لائق نہیں ہیں اور نقص و خرابیاں ان کا ضمیر ہے اور ان کی فطرت میں شامل ہے۔

دیدیم سواد ہند حسرت زار است
روز کہ و مہ چو شام ہجراں تاراست
بستہ است بکار ہمہ شاں بخت گرہ
اینجا گرہ کشادہ در شلوار است

.... ××× ....

پروفیسر مسعود احمد اور ان کا اسلوب بیان

محمد عابد رضا مصباحی

اس عالم میں جب انسان قدم رکھتا ہے تو وہ اپنے آپ میں ہی گم ہو کر ساری زندگی گزار دیتا ہے یا وہ خود تو اپنی حیات کے شب و روز گزارتا ہی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسے نمایاں کردار عمل کا حامل ہوتا ہے جو دوسروں کے لئے لائحہ فکر و عمل اور سبب حق وہدایت بن جاتا ہے۔

انہیں برگزیدہ انسانوں میں ایک انسان سعادت لوح و قلم ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد مجددی علیہ الرحمہ (متولد ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء / متوفی ۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ / ۲۸/ اپریل ۲۰۰۸ء) ہیں۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں گزار دی۔ وہ ہمیشہ حق و صداقت کے امین بن کر دینِ متین کی خدمت کرتے رہے۔

آپ کی حیات کے بے شمار گوشے ہیں جن پر روشنی ڈالنے کے لیے دفاتر درکار ہیں مگر ہم اپنے اس مختصر سے مقالے میں ان کے اسلوب بیان پر روشنی ڈالیں گے۔ جس اسلوب بیان کو دیکھ کر آج بھی آنکھ ٹھنڈی ہو رہی ہے، زبان اس کی حلاوت و چاشنی کا مزہ چکھ رہی ہے اور کان جس کو سن کر لطف اندوز ہو رہے ہیں اور لوگ ان کی تحریریں پڑھ کر دیوانہ وار جھوم رہے ہیں۔

رب قدیر کا ان کی ذات پر یہ عظیم احسان ہے کہ ان کو قلم جیسی عظیم الشان نعمت عطا فرمائی۔ ان کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ موتیوں کی طرح صفحۂ قرطاس پر بکھرے نظر آتے ہیں۔

جملوں کا تسلسل اور الفاظ کی روانی ان کی تحریروں میں عجیب موزونیت رکھتی ہے۔ مسجع و مقفّٰی عبارات دنیائے اردو ادب میں اردوئے معلّٰی کا درجہ رکھتی ہیں۔ مگر بات اتنی باوزن کہ نقطہ رکھنے کی جگہ نہیں، کم الفاظ پوری بات، یہ ان کا حسین پیرایۂ بیان ہے۔ جملوں کو جب عبارت کی زینت بناتے ہیں تو قلم سیال دریا کی طغیانی کی طرح چلتا جاتا ہے۔ مگر حق و صداقت سے سرمو بھی انحراف نہیں، یہ ان کا عظیم ملکہ تھا۔ اور جب وہ حقیقت کو واضح فرما کر قاری کو مخاطب کرتے ہیں تو بڑا نرالا انداز ہوتا ہے۔ جس پر ذیل کا اقتباس غمازی کرتا دکھائی دے رہا ہے:

"کچھ نہ تھا۔ وہی وہ تھا۔ پھر کیا ہوا؟۔ کائنات کی وسیع و عریض فضاؤں میں ایک نور چمکا۔ وہ نور کیا چمکا گویا زندگی میں بہار آگئی۔ سلسلہ چل نکلا۔ چراغ سے چراغ جلنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا جہاں جگمگانے لگا۔ ٹھہریے ٹھہریے۔ دیکھئے دیکھئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ کیا فرما رہے ہیں:

"اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا" یہ یقینی بات ہے، اس میں کوئی شک نہیں (ص ۲۳۔ جان جاناں از مسعود احمد۔ مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی۔ ۱۹۹۰ء)

اس عبارت میں مسعود ملت علیہ الرحمہ نے نور نبوت کی

جلوہ گری کا ایسا حسین نقشہ کھینچا ہے کہ قاری پڑھ کر جھوم جاتا ہے۔ گویا کہ وہ پڑھ نہیں رہا بلکہ خود اسی ذات کی زبانی سن رہا ہے۔

نورِ نبوت کی جلوہ گری کی تصوراتی منظر کشی کے بعد رسول معظم ﷺ کی خاکدانی گیتی پر آمد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''جس کی آمد آمد کے ذکر واذکار قرنوں سے چلے آرہے تھے۔ جس کے لیے یہ سارا سنسار سجایا تھا۔ جس کا انتظار کرتے کرتے دنیا والوں کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ جس کے لیے سارا عالم چشم براہ تھا۔ اس کی ولادت باسعادت کی گھڑی قریب آرہی ہے۔ سنئے سنئے نبی کیا فرمارہے ہیں۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو، آئے گا، پر اس کے آنے کے دن کی کس کو تاب ہے؟ اور جب اس کا ظہور ہوگا کون کھڑا رہ سکے گا؟

اور حضرت داؤد علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں:

''وہ آرہا ہے۔ وہ زمین کی عدالت کرنے کو آرہا ہے۔ وہ صداقت سے جہان کی اور اپنی سچائی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔ (ص ۴۱، جان جاناں، از مسعود احمد۔ مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی۔ ۱۹۹۰ء)

اس طرح کی سیکڑوں عبارتیں ان کی تصانیف میں ملیں گی جو آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بھر دیتی ہیں۔

مسعود ملت کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت ان کی قوت استدلال ہے۔ وہ اپنے نظریۂ حق کی تائید میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں کہ مخالف لاجواب ہو کر حیرت واستعجاب سے منہ تکتا رہ جاتا ہے اور اگر حق کی توفیق ہو تو مطمئن بھی ہو جاتا ہے۔ ذیل میں یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا انگریز کو چاہتے تھے، اس سے محبت کرتے تھے، مگر شواہد کو کھنگالا گیا اور حقائق کا مشاہدہ کیا گیا تو اس چاہت ومحبت کا دور دور پتا نہ چلا۔ ہاں! جس نے الزام لگایا اس کا دامن داغ دار نظر آتا ہے اور جس پر الزام لگایا وہ بے داغ نظر آتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کو حیرت ہے۔ (ص ۲۳۔ گناہ بے گناہی، از مسعود احمد، مطبوعہ رضا انٹرنیشنل اکیڈمی۔ پاکستان)

آپ نے ان تحریروں کے ذریعہ بانکپن، جاذبیت ودل کشی اور دل فریبی سے ایک نیا جہان آباد کیا ہے۔ ذیل کے یہ اقتباس پڑھیں اور شیرینی وحلاوت سے لطف اندوز ہوں۔

''اس نے ہر فکر کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھا۔ اور کھوٹا اور کھرا الگ کر دکھایا۔ اس کو دیوانہ کہا گیا۔ مگر وہ۔ وہ تو فرزانوں کی آبرو تھا۔ اس کو مفکر المسلمین کہا گیا مگر وہ تو اسلام اور مسلمانوں کا محافظ تھا۔ اس کو ''مبتدع'' کہا گیا مگر وہ تو سنت رسول علیہ التحیہ والتسلیم کا پاسدار تھا۔ اس کو فرنگیوں کا دم ساز کہا گیا مگر وہ تو اسلامیوں کا خیر خواہ تھا۔ وہ ۱۹۲۱ء میں جب کہ پورا ملک کفر وشرک کی بدعت کی لپیٹ میں تھا نعرۂ مستانہ لگاتا ہوا، خوابیدہ قوم کو جگاتا ہوا اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔ اس کی آواز نے اپنی تاثیر دکھائی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری قوم جاگ اٹھی۔ اس کا ذہن برق رفتار تھا، اس کی آنکھ عرش نگاہ تھی، اس کا سینہ بحر ناپیدا کنار تھا، اس کا ہاتھ صبا رفتار تھا وہ کیا تھا؟۔ وہ کون تھا؟۔ اس نے کیا کیا؟ (ص ۱۷۷۔ آئینہ رضویات، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی پاکستان)

''آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ سرتن سے جدا ہو چکا ہے۔ جسم بے جان پڑا ہے مگر جان آفریں کہ رہا ہے۔ خبردار اس کو مردہ نہ کہنا یہ زندہ ہے اس نے ہماری حمایت میں جان دی ہے۔ تم کو کیا

خبر؟ تم کیا سمجھو؟ (آئینۂ رضویات)

فرزانوں کی بستی میں وہ ایک دیوانہ تھا۔ جس نے محبت کے چراغ روشن کیے، جس نے سونی محفلوں کو باغ و بہار بنایا۔ جس نے کشت ویراں کو لالہ زار کیا۔ جس نے آندھیوں میں دیے جلائے۔ جس نے طوفان میں کشتیاں چلائیں۔ وہ ید اللہ تھا۔ اسی کے ہاتھ کی بے پناہ قوت بتا رہی ہے کہ وہ اس کا ہاتھ نہیں ہے۔ وہ خدا کا ہاتھ ہے۔ میرا بندہ جب مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے'' بے شک وہ خدا کا ہاتھ تھا۔ ایک انسان کے ہاتھ میں اتنی قوت کہاں کہ جدھر بڑھے سیل رواں کی طرح اور جدھر اٹھے ابر باراں کی طرح۔

وہ اپنے محبوب کے بدخواہوں کی طرف جھپٹتا ہے، لیکن نہیں نہیں وہ بدخواہی کی طرف جھپٹتا ہے۔ اس کو انسانوں سے بیر نہیں۔ وہ محبت کا اسیر ہے۔ وہ مصطفیٰ کا بندہ ہے۔ جن کی شان یہ تھی کہ ادھر تلواروں کی جھنکار سے میدان وغا گونج رہا ہے۔ ادھر وہ اشک بار آنکھوں سے اپنے دشمن کے لئے دعا مانگ رہے ہیں۔ تو جب وہ ویران گھروں میں محبت کی سوغات لینے پہنچا تو اس کو کیوں ٹھکرا دیا؟ ٹھکرانے والوں نے ٹھکرایا۔ لیکن اس ''عندلیب چمنستان رسالت'' کی آواز کچھ ایسی بھائی کہ جس کو دیکھو، اسی کا گن گا رہا ہے۔ سنو سنو، کہنے والے کیا کہہ رہے ہیں: (آئینۂ رضویات)

اگر آپ کی حیات مبارکہ پر روشنی ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پوری حیات تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، دعوت و تبلیغ کی تابانیوں سے منور ہے۔

خلاق مطلق نے آپ کو ایسا جادو نگار اور سحر طراز قلم عطا کیا تھا جس کی شگفتگی و شادابی، گل کاری و گہرباری پر زمانہ نثار ہو رہا ہے۔ ان کا رسیلا اسلوب سجیلا لہجہ زبان و ادب کو ایک نئے ادب سے ہم آہنگ کراتا ہے۔

ان کی تحریروں کی دل آویز بندشوں سے اردو دنیا کی ثروت میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے مندرجہ بالا اقتباسات میں لفظوں کا ترنم، ترکیبوں کی نغمگی اور بندش میں پروتی ہوئی موسیقی کا رنگ ہے۔

انہوں نے دشمنان رسول ﷺ پر بھی ضرب کاری لگائی ہے اور اس اچھوتے انداز میں کہ باطل کا گلا گھونٹ دیا مگر اس کو احساس بھی نہ ہونے دیا۔ ملاحظہ ہو:

''حقیقت میں ''محبت و عشق'' نام ہے ''چبھن'' کا۔ جب محبوب کا ذکر ہو تو دل جلنے لگے اور سینہ پھکنے لگے۔ اور جب اس کی جناب میں کوئی زبان درازی کرے تو خون کھولنے لگے۔ دماغ پھٹنے لگے۔ سنئے سنئے وہ کیا فرما رہے ہیں۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ دیکھنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ ہاں ہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کا دیوانہ (جان جاناں)

ان کی تحریروں کو پڑھ کر آج ہماری آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلکنے لگتے ہیں اور دل اس کی نغمگی سے مچل اٹھتا ہے۔ ان کا اسلوب بیان اتنا پرکشش اور جامع ہے کہ اس کو الفاظ کی بندشوں میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں بس اتنا کافی ہے کہ

ع سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

☆☆☆☆

حق وصداقت کا مینارہ نور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نوراللہ مرقدہ

ڈاکٹر محمد یونس دانش☆

17 رمضان المبارک 1344ھ بمطابق 31 مارچ 1926ء بروز پیر کو عالم اسلام کے عظیم رہنما مبلغ اسلام حق وصداقت کے مینار نور سیاست کی خاذدار راہوں میں مجاہدانہ کردار ادا کرنے والے قائد اہلسنت امام برحق صدیقی سیرت کردار کے عظیم پیکر حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے سفیر اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی کے گھر آنکھ کھولی اور زندگی کی آخری سانس تک سیاست کی سیاہ کاریوں کا پردہ چاک کرتے رہے آپ نے اصول پرستی اور سچائی کی سیاست کو فروغ دیا، نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ آپ کی زندگی کے رہنما اصول تھے آپ نے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ڈکٹیٹر اور ظالم حکمرانوں کے سامنے بڑی بے باکی سے کلمہ حق بلند کیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی کی پوری زندگی تلاوت قرآن، اسلام کی تبلیغ ترویج واشاعت، حکومتی ڈھانچے کی ترتیب وتشکیل اور قوم کو بیدار کرنے میں گزری ہر فورم پر آپ کی زندگی سیرت طیبہ ﷺ کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے دن میں پارلیمنٹ میں اسلام کی بقا کی جنگ لڑتے دستور کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے کوساں رہتے اور رات کو ختم رسالت ﷺ کا پرچم تھامے پاکستان کے طول وعرض میں قوم کو بیدار کرتے ہوئے نظر آتے آپ کا وطیرہ جہاد اور تلاوت قرآن تھا۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی شخصیت پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک روشن باب ہے جس کی کرنیں تاریخ کے صفحات پر ہر طرف بکھری پڑی ہیں آپ مایوسیوں میں امید کی کرن، تاریکیوں میں مشعل راہ، استقامت کے کوہسار، علم ودانش کے بحر بیکراں تھے آپ کا پختہ یقین تھا کہ سیاست کو مذہب سے جدا نہیں کیا جاسکتا اسی لئے آپ مذہب اور سیاست کو ایک سکے کے دو رخ قرار دیتے تھے آپ نے دین وسیاست کا حسین امتزاج پیش کیا ممبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر دین اسلام کا حقیقی تصور پیش کرتے میدان سیاست میں حکمرانوں کی بداعمالیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں پارلیمنٹ میں آئین کی ترتیب وتشکیل، دستور کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے عملی نفاذ کیلئے کوشاں رہتے۔

علامہ شاہ احمد نورانی کی ذات گرامی ایک سدابہار درخت کی سی تھی جس کے سایہ میں دوست ودشمن سب ہی فیضیاب ہوتے' تھے آپ غیر متنازعہ مذہبی روحانی شخصیت تھے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغ دین وترویج اسلام میں گزرا آپ اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی تھے، آپ نے اتحاد بین المسلمین کیلئے بہت اہم اور مثالی کام کئے، مختلف مکاتب فکر پر مشتمل ملی یکجہتی کونسل کے فورم سے ملک سے فرقہ واریت کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا مولانا نورانی کی غیر متنازعہ شخصیت اور قائدانہ صلاحیتوں کی بنا پر آپ کو ملی یکجہتی کونسل کا بھی سربراہ بنایا گیا آپ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جس کا ایک زمانہ معترف تھا علامہ شاہ احمد نورانی کو قائد اہلسنت کہا جاتا تھا اور یہ لقب کسی عام کارکن یا ان کے کسی مرید نے نہیں بلکہ غزالی زماں حضرت سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا جب کہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ پیر قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ، تاجدار ملتان مولانا حامد علی خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمۃ

☆ مرکزی سیکریٹری اطلاعات، جمعیت علماء پاکستان

اللہ علیہ، حضرت سید ابوالحسنات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ دور فقیہ اعظم مولانا نوراللہ بصیر پوری جیسی عظیم المرتبت شخصیات آپ کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کرتے تھے اس کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے علماء نے آپ کو قائد ملت اسلامیہ کے لقب سے نوازا۔ آپ نے مختلف مکاتب فکر کی مذہبی سیاسی قوتوں کو متحدہ مجلس عمل کے گلدستے میں سجا دیا جس سے امت مسلمہ ایک تسبیح کے دانوں کی طرح متحد و منظم ہو گئے اور ایسی فقید المثال کامیابی حاصل کی جو پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاست اصول پرستی اور سچائی کی سیاست تھی جس میں مصلحت پسندی اور مفاد پرستی کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ آپ ایسے لوگوں کو پسند کرتے تھے علامہ نورانی نے ہمیشہ جابر و ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کیا جنرل یحیٰ خان سے جب ملاقات کیلئے گئے تو میز پر شراب کی بوتل رکھی تھی آپ نے اس بھری محفل میں جنرل یحیٰ خان سے کہا کہ تم شراب کے جام پینے میں مصروف ہو اور ملک ٹوٹ رہا ہے آپ کی اس بے باکی اور جرأت کو آپ کے مخالفین بھی سلام کرتے تھے جنرل ضیاء کے عروج کے دور میں آپ نے سیاہ چن پر بھارتی قبضہ کو بین الاقوامی فورم پر اجاگر کیا جب تمام مذہبی و سیاسی جماعتیں خاموش تھی آپ نے حب الوطنی کے تقاضے پورے کئے جنرل ضیاء نے اسکا جواب دیتے ہوئے کہا کہ سیاہ چن میں نہ گھاس اگتی ہے اور نہ تیل پیدا ہوتا ہے آپ نے جنرل ضیاء کو دوٹوک الفاظ میں للکارتے ہوئے کہا کہ سیاہ چن پاکستان کا حصہ ہے قوم پاکستان کے ایک انچ پر بھی بھارت کا قبضہ برداشت نہیں کرے گی لہذا سیاچن کھونے کی پاداش میں جنرل ضیاء کا کورٹ مارشل کیا جائے ان کو سزا دی جائے ورنہ قوم انھیں کو کبھی معاف نہیں کرے گی آپ نے بینظیر بھٹو اور نواز شریف کو کھوٹے سکے کے دو رخ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس ملک میں اب مصطفےٰ کریم ﷺ کا سکہ ہی چلے گی آپ نے جنرل پرویز مشرف کے آمرانہ امریکہ نواز اسلام دشمن طرز عمل کی شدید الفاظ میں مذمت کی اخبارات میں جنرل مشرف کی کتے کے ساتھ تصویر شائع ہونے پر آپ نے کہا کہ ہمیں کتوں والے جنرل کی نہیں بلکہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار تھامنے والے جنرل کی ضرورت ہے جو خالد بن ولید کا کردار ادا کر سکے آپ نے ہمیشہ آمروں، ڈکٹیٹروں کو للکارا ان کے آمرانہ طرز عمل کی شدید مخالفت کی اور جمہوریت کے فروغ کے لئے میدان کارزار میں آخر دم تک جدوجہد کرتے رہے

علامہ شاہ احمد نوارنی **1970**ء سے **11** دسمبر **2003**ء تک تحفظ نظریہ پاکستان کی جدوجہد کرتے رہے **1986**ء میں جب ایک ایسا وقت آیا کہ کلاشنکوف کے سامنے بڑی بڑی شخصیتوں کی زبانیں کند ہو گئی تھیں اس وقت اگر کوئی صدائے حق بلند ہوئی تو وہ امام شاہ احمد نورانی کی تھی جنھوں نے لسانی نسلی تعصبات کے خلاف جرأت مندانہ کردار ادا کیا مسلم قومیت کی بیداری اور نظام مصطفےٰ ﷺ کے عملی نفاذ کی جدوجہد کرتے رہے آپ نے لسانیت کا بیج بونے والے کو پاکستان کا لارنس آف عربیہ قرار دیا۔

یہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے سلگتے ہوئے مسائل کو ہر فورم پر اجاگر کیا فلسطین پر اسرائیلی جارحیت قبلہ اول بیت المقدس پر صیہونی قبضے چیچنیا بوسینا میں روسی مظالم کشمیر میں بھارتی فوجوں کی درندگی افغانستان و عراق پر امریکی قبضے مسلمانوں کی نسل کشی سلمان رشدی تسلیمہ نسرین کے مکروہ نظریات اور قادیانیوں کی سرکوبی کیلئے بے مثال جدوجہد تاریخ کا روشن باب ہے آپ نے امریکی نیو ورلڈ آڈر کے مقابلے میں مصطفوی آڈر کا فلسفہ دیا آپ نے برطانیہ کو عالمی سازشوں کا مرکز امریکہ کو عالمی دھشت گرد اور یو این او کو امریکہ کی لونڈی

قرار دیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی دنیا بھر کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے ان کی فکر فلسفہ اور حالات پر تبصروں کا عمیق نظری سے جائزہ لیا جائے تو آج پاکستان اور عالم اسلام جس نازک صورتحال سے دوچار ہیں امت مسلمہ کو جن چلینجز کا سامنا ہے ان خطرات اور مشکلات اور ان کے حل کیلئے آپ کی فکر راہ ہدایت ہے لیکن مفادات کی فکروں میں پڑے مسلم حکمران اپنے گرد قائم حصاروں سے باہر نہیں نکلے جس کی وجہ سے پورے عالم اسلام پر سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں بالخصوص پاکستان جس دھشت گردی معاشی ابتری بدامنی اور گرانی کے عذاب میں مبتلا ہے ان مسائل سے نکلنے کیلئے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے صائب مشوروں اور ان کی بتائی ہوئی لائن آف ڈائریکشن پر عمل کرنا ہوگا

علامہ شاہ احمد نورانی نے شمالی علاقہ جات اور آئیندہ امریکی منصوبوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حیدرآباد ملین مارچ میں کہا تھا کہ افغانستان میں شمالی اتحاد اور عراق کی شمالی حصے میں کردوں کی صورت میں امریکہ کو غدار مل گئے ہیں اور پاکستان میں بھی ایسے غدار موجود ہیں عوام ان پر نظر رکھیں آنیوالے وقت میں یہ غدار امریکہ کو کندھا دیں گے اور پاکستان میں شمالی اتحاد تشکیل دے کر پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر ضرب لگائی جائے گی عمیق نظری سے آپ کے فرمودات کا جائزہ لیا جائے تو آج پاکستان مخالف منصوبے پر عمل جاری ہے شمالی علاقہ جات میں شورش پیدا کر کے پاک فوج کو مصروف کر دیا گیا ہے امریکی فوجیں باجوڑ، انگور اڈا، سوات اور دیگر شمالی علاقوں میں حملے کر رہی ہیں تاکہ نفرت کی آگ کو مزید ہوا دے کر بھڑکا دیا جائے جس سے اٹھنے والی چنگاریاں پاکستان کے دیگر حصوں بالخصوص دارالحکومت اسلام آباد تک پہنچ گئی ہیں بے نظر بھٹو کا قتل، واہ کینٹ بم دھماکے اور ہوٹل میریٹ حملے کے پیچھے یہی سازش کارفرما ہے جبکہ دوسری جانب تواتر کے ساتھ کراچی میں طالبانائزیشن کا ڈرامہ رچایا جارہا ہے حکومتی حلیف جماعت کے سربراہ لندن سے کراچی میں طالبان کی موجودگی کا اعلان ہو رہے ہیں عین اسی وقت طالبان کے رہنما ملا عمر پاکستان میں طالبان کے مضبوط نیٹ ورک کا مژدہ سناتے ہیں جس سے دونوں کی کڑیاں آپس میں مل رہی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ شمالی علاقہ جات کے ساتھ کراچی میں دھشت گردی کو پروان چڑھایا جائے گا اب ان سازشوں اور مکروہ منصوبوں کو ناکام بنانے کیلئے قوم کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نوراللہ مرقدہ کی فکر فلسفے پر چلنا ہوگا انھوں نے ملک وملت کیلئے جس خطرہ کی نشاندہی کی تھی وہ قادیانیت ہے جو ملک کے اہم عہدوں پر بیٹھ کر پاکستان کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور مختلف فتنوں کو ہوا دے کر ملک میں بدامنی لاقانونیت کا زہر گھول چکے ہیں جس کے پیچھے امریکی سی آئی اے، اسرائیلی موساد، بھارتی را اور افغان خاد کی مکمل سرپرستی حاصل ہے جس کا ذکر علامہ شاہ احمد نورانی وقتاً فوقتاً اپنے خطابات میں کیا کرتے تھے گو کہ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کی نورانی فکر پر عمل کر کے ملک وملت کو دشمن کے ناپاک عزائم سے نجات دلائی جاسکتی ہے جس کیلئے ان کے سجادہ نشین حضرت علامہ شاہ محمد انس نورانی ورلڈ اسلامک مشن کے فورم سے دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں جبکہ ان کے سیاسی جانشین حضرت علامہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر جمعیت علماء پاکستان کو نورانی فکر پر چلا کر ان کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے اور علامہ شاہ احمد نورانی کی قبر انور پر رحمتوں کی بارش برسائے آمین۔

معارفِ رضا

انگریزی سیکشن

(ادارہ اس شمارہ سے معارفِ رضا (ماہنامہ) میں ایک انگریزی سیکشن کا اضافہ کررہا ہے۔ محترم محبی مولانا خورشید احمد سعیدی صاحب (لیکچرار بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، شعبہ تقابل ادیان) ہر ماہ فتاویٰ رضویہ کے سماجی، معاشرتی اور اصلاحی پہلو سے تعلق رکھنے والے فتوے کا انگریزی ترجمہ کرکے بھیجیں گے۔ ہم ان کے نہایت ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ سلسلہ شروع کردیا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا فتویٰ (انگریزی ترجمہ) شائع کررہے ہیں۔ اس کا تعلق گنجفہ، چوسر، شطرنج کھیلنے کے مضرات اور اس کے شرعی حکم سے ہے اور اسے فتاویٰ رضویہ جدید، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ج:۲۴ کے صفحہ ۷۵ تا ۸۷ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مدیر)

also prohibited. Anybody who plays this game after bet, his trustworthiness will come to an end and his witness will not be accepted.

However, if this game is without any bet, in this way, to play it once or twice is a minor sin. But if it is played with bet or as a habit or obligatory prayers are wasted because of it or one fails to join Jama'at, for prayers, in all these cases, to play this game will be a major sin.

Similarly, any other game or useless act which has no Islamic objective, nor any worldly right benefits, is disliked. They are harmful some of them have less but some have extensive damage. In ad-Durr al-Mukhtar, it has been said, "All kinds of making fun are detested because the Holy Messenger (*Blessings and peace of Allah be upon him*) said: 'All kinds of making fun by a Muslim are prohibited except three—playing of a husband with his wife; playing with his horse during its training and teaching; and throwing arrows with his bow.'"

In Radd al-Muhtar, explaining the same point, it has been said, "Every fun (i.s) a game and useless act, all three (playing cards, dice and chess) are same as it has been explained in Sharh-e-Ta'weelat."

And Allah the Exalted knows the best.

Therefore, such cases, which occur rarely, are not included in them. That is why; prohibition is the verdict for these games.[5]

Thus, to avoid these games is a careful way in this regard. In ad-Durr al-Mukhtar, it has been said, "Playing dice is a strongly prohibited act and same is the case of chess. By a report from Imam Shafa'i and Justice Abu Yusuf, chess is permissible if it is not after bet and if it is (not) creating any interruption in the performance of an obligatory duty. Otherwise, it is prohibited."

In Radd al-Muhtar, it has been explained that playing chess is prohibited and is a grave sin. Its permission will help evil forces against Islam and Muslim.[6] Same is the case if the players do not swear repeatedly during the game. In the absence of these things trustworthiness is not destroyed because there is a dispute among the learned scholars about its prohibition.[7]

In Alam Giree[8], it is noted that chess, dice, the game thirteen and fourteen are disliked games. Excluding chess all of these games are unanimously and strongly prohibited. According to our judgment, chess is

[5] See: Ibn Hamman, Fath al-Qadeer, and ad-Durr al-Mukhtar
[6] See: Qahustani's al-Kafi.
[7] Abd al-Barr quoting from Adab al-Qadi.
[8] Actual name of the book is al-Fatawa al-Hindiayah. This encyclopedic book is of Hanafi Juristic School. This was prepared by ash-Shaikh Nizam with the help of about Five hundred Indian jurists of Hanafi School in the reign of Aowrangzeb Alamgir, one of the emperors of Muslim India.

tr. *Whosoever plays dice, disobeys Allah and His Messenger.*

Dice is unanimously prohibited. It is a cause of wantonness and rejection of one's witness.[4] Same is the case of cards because of reasons, which have already been described.

Although playing chess has been permitted by some scholars with the following conditions:

1. It is not on the basis of a bet.
2. One plays rarely. He is not habitual of it.
3. This game should not be a cause of any interruption in offering regular prayer with Jama'at or in any other Islamic obligation.
4. There shouldn't be any oath taking in it.
5. There shouldn't be any immoral talking in it.

But, in fact, it is absolutely prohibited. The truth behind it is that no one remains faithful to these conditions, particularly regarding the second and the third condition. Once a person tastes it, he plays it regularly. The last but not the least, with this game there is either short time for prayer or absence from praying with Jama'at. It has been observed many times.

And suppose, if one out of thousand persons ever fulfills these conditions, it happens just in a rare case; and the command described above is not for such people. Juristic laws are based on majority cases.

---

[3] .The Hadith has been recorded by Imam Ahmad ibn Hanbal, Abu Dawood, Ibn Majah, and al-Hakim. The narrator is Abu Musa al-Ash'ari (*May Allah be pleased with him*).

[4] The same command has been declared in Radd al-Muhtar, quoting from Qahastani, that playing dice is prohibited unanimously. Trustworthiness is finished by it.

Playing Cards, Dice and Chess

A'la Hadrat **Imam Ahmad Rida Khan**

Question[1]: What do the scholars of Islam say about playing cards, dice, and chess? Is there any difference among them or not? Is playing with them considered a minor sin or grave offence, or uselessness? What is the command about useless act? *Please expound the issue. May Allah Almighty reward you the best for this.*

Answer: All these games are prohibited and impermissible. The dice and cards, however, are worse forms of these games because cards contain pictures. The players place them with esteem and look at them with respect. This attitude is a cause of severe sin. Whereas, about dice, the Holy Prophet (*May Blessings and Peace of Allah be upon him*) said:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَشِير فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِه.[2]

tr. *Whosoever plays dice, he is like the one who polluted his hand in pig meat and blood.*

In another authentic Hadith, he said:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُوْلَه.[3]

[1] The Urdu text of this question and answer is in volume 10, pp. 43-44 of Fatawa Ridawiyyah published (in August 2000) by Dar-ul-Uloom Amjadiyah, Karachi and in volume 24, pp. 75-78 of Fatawa Ridawiyyah published (in August 2003) by Rida Foundation, Lahore Pakistan.
[2] Sahih of Muslim, *Bab Tahreem al-La'b bi an-Nardasheer.*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

رضا کی ادویات۔ بے مثل خصوصیات

رضا کی دیگر مؤثر ادویات میں سے چند ایک نظر میں

نام دوا	قیمت	فوائد واستعمالات
انرجیک سیرپ ENERGIC Syrup	75/-	اعضائے رئیسہ وشریفہ (دل، دماغ، جگر) کی حفاظت کرتا ہے۔ جسم کو خون سے بھرپور کرتا ہے۔ ضائع شدہ توانائی بحال کرتا ہے۔
کف کل سیرپ COUGHKIL Syrup	30/-	خشک اور بلغمی کھانسی، کالی کھانسی، شدید کھانسی، دورے والی کھانسی، دمہ اور امراضِ سینہ میں بے حد مفید ہے۔
لیورجک سیرپ LIVERGIC Syrup	50/-	ضعفِ جگر، یرقان، ورم جگر، ہیپاٹائٹس، جگر کا بڑھ جانا، جگر کا سکڑ جانا، ورم پتہ، مثانہ کی گرمی، سینہ اور ہاتھ پاؤں کی جلن میں مفید ہے۔
پیورفک سیرپ PURIFIC Syrup	45/-	چہرے کے داغ دھبے، کیل مہاسے، گرمی دانے، پھوڑے پھنسیاں، خارش، الرجی، داد، چنبل، بواسیر بادی وخونی میں مفید ہے۔ اعلیٰ مصفیٔ خون ہے۔
گائنوجیک سیرپ GYNOGIC Syrup	110/-	ایام کی بے قاعدگی، رحم کی کمزوری، ورم رحم، عادی اسقاطِ حمل، اٹھرا، کمر درد اور جملہ امراضِ نسوانی میں اکسیر ہے۔
لیکورک کیپسولز LIKORIC Capsules	90/-	سیلان الرحم (لیکوریا)، حادومزمن کی مؤثر دوا ہے۔ اندام نہانی کے ورم اور سوزش کو دور کرتے ہیں، کیلشیم کی کمی، رحم اور متعلقاتِ رحم کو تقویت دیتے ہیں۔
عرقِ جگر ARQ-E-JIGAR	60/-	جگر وطحال کے جملہ امراض، درد جگر، ورم جگر، جلندھر، ہیپاٹائٹس کی جملہ اقسام میں مناسب بدرقات کے ساتھ حیرت انگیز نتائج کا حامل ہے۔
شربتِ بادام SHARBAT-E-BADAM	110/-	دماغ کو طاقت دیتا، حرارت کو تسکین دیتا ہے، سینہ وطبیعت کو نرم کرتا ہے۔
دافعِ جریان کورس DAF-E-JIRYAN Course	300/-	کثرتِ احتلام، جریان، سرعتِ انزال، ذکاوتِ حس میں اکسیر ہے۔
روزک سیرپ ROSIC Syrup	150/-	فطری قوتِ مدبرہ بدن کو بیدار کرتا ہے۔ ہاضمے کے عمل کو بہتر بناتا ہے۔ جگر اور اعصاب کو طاقت دیتا ہے۔ خواتین کے لئے بہترین ٹانک ہے۔ زچہ وبچہ میں خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔
کڈٹانک سیرپ KIDTONIC Syrup	27/-	بچوں کو قبض، اپھارہ، نفخ، پیچش، قے دست، کھانسی، نزلہ، زکام، بخار اور گلے کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جسم کو طاقت دیتا اور غذائی کمی، خون کی کمی اور کیلشیم کی کمی کو پورا کرتا ہے۔
کشش (بریسٹ کریم) KASHISH Breast Cream	150/-	اکثر خواتین ایک ہی بچہ پیدا ہونے کے بعد نسوانی خوبصورتی کھو دیتی ہیں۔ کشش (بریسٹ کریم) بریسٹ کو سڈول، خوبصورت اور پرکشش بناتی ہے۔

ریٹائرڈ پرسن، انویسٹر، ہول سیلرز، میڈیکل/سیلز ریپ، فری لانسرز، ڈسٹری بیوٹرز ومارکیٹرز متوجہ ہوں۔ اپنے شہر، قصبے اور گاؤں میں رضا لیبارٹریز کی مایہ ناز ہربل ادویہ کی فرنچائز مارکیٹنگ کے لئے رابطہ فرمائیں۔ پرکشش پیکج، سیمپل، لٹریچر، اسٹیشنری اور پبلسٹی بذمہ کمپنی

ZAIGHAM ENTERPRISES

Distributer & Promoter of Medicine & General Items

مطب رضا، مین بازار، گلشن لیبر کالونی (رشید آباد)، نزد غوثیہ ہوٹل سائٹ، کراچی۔ 75700

0333-21667... 021-...

ہفت روزہ ''عالمی سہارا'' انڈیا پریوار (نیو دہلی) کا اعلیٰ حضرت نمبر

محترم المقام حضرت مولانا الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی، چیئر مین رضا اکیڈمی، ممبئی کی کوششوں سے ہفت روزہ ''عالمی سہارا''، نیو دہلی (بابت ۸/مارچ ۲۰۰۸ء) کا ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اعلیٰ حضرت نمبر شائع ہوا جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ پر میگزین کی صورت میں برصغیر پاک و ہندو بنگلہ دیش کی تاریخ کا سب سے ضخیم نمبر ہے جو کسی بھی علمی شخصیت پر اب تک شائع ہوا ہے۔ یہ نمبر اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمٰن عزوجل کی حیات و خدمات پر ایک خوبصورت گلدستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے نیز دنیائے صحافت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حوالے سے ایک قابلِ تقلید پیش رفت ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب مدظلہ العالی اس حسین کاوش کو ''خیابانِ رضا'' کے نام سے کتابی شکل دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس طرح پاکستان میں موجود رضویات سے دلچسپی رکھنے والے علماو محققین بھی اس سے بھرپور استفادہ کرسکیں گے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، رضا اکیڈمی، ممبئی کے چیئر مین اور سرپرستِ اعلیٰ مولانا محمد سعید نوری صاحب مدظلہ اور ''عالمی سہارا'' کے ایڈیٹوریل بورڈ کو اس نمبر کی اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس طرح کی کوششوں سے فروغ رضویات کے سفر کو بطریقِ احسن جاری و ساری رکھیں گے اور کروڑوں مسلمانوں کی دعائیں لیں گے۔